ارشاداتِ جناح

ارشادات جناح

مترجمہ

مفتی غلام جعفر بی۔اے

ناشر شیخ نذیر احمد برادرز تاج الکتب محمد علی روڈ بمبئی ۳

ناشر

ادبستان لاہور

قیمت ایک روپیہ بارہ آنے

مرکنٹائل پریس چیمبرلین روڈ لاہور میں باہتمام ملک محمد رفیق پرنٹر پبلشر چھپ کر ادبستان بیرون موچی دروازہ لاہور سے شائع ہوئی

فہرس

دیباچہ

میں مالکان دبستان کا شکر گذار ہوں کہ انھوں نے ترجمہ ارشادات جناح کے لئے قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند۔ میں نے ترجمہ کا حق کہاں تک ادا کیا ہے۔ اور کس حد تک کامیاب ہوا اس کا فیصلہ قارئین کرام کرینگے۔

آغاز ترجمہ سے پہلے تمام تقریریں پڑھ جانے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ

قائد اعظم ——— مسلم لیگ ——— پاکستان

مترادف و ہم معنی الفاظ ہیں۔ قائد اعظم کے دم سے حیات مسلم لیگ وابستہ ہے اور مسلم لیگ کی تنظیم و عمل پر تعمیر پاکستان کا انحصار ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامیان ہند کے دلوں سے یہ صدا بلند ہوتی ہے۔ زندہ باد قائد اعظم۔ زندہ باد پاکستان، زندہ باد مسلم لیگ۔

مغربیوں کا اعتقاد ہے کہ عملی سیاسیات کو دیانت داری سے کچھ بہت سروکار نہیں یا شاید مطلق نہیں ہندو اس امر پر اصرار کرتے ہیں کہ مذہب اور سیاسیات کو ایک دوسرے سے جدا رکھنا لازم ہے لیکن اسلام حکم دیتا ہے کہ بہ یک وقت دونوں سے عہدہ برآ ہونا فرض ہے۔ ارشادات جناح کے حقائق و معارف میں نمایاں ترین یہی ہے۔ اور اسلامیان ہند کی طرف سے اسی پر عامل ہونے کا دعویٰ اور وعدہ قائد اعظم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلامیانِ ہند دیانت سہ گانہ کے پاسدار ہیں اور ہمیشہ ہونگے یعنی شخصی دیانت، قومی دیانت، بین الاقوامی دیانت،

انھوں نے اپنی تقاریر کے فاتحانہ دورہ میں بار بار اس امر کو سرگرمی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اور برطانویوں، ہندوؤں اور دیگر ہندیوں کو بتایا ہے کہ مسلمانوں کا مطالبہ پاکستان عین دیانت پر مبنی ہے۔ مگر افسوس کہ مخالفین پاکستان کو بین الاقوامی دیانت سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ ہے وہ مرکزی نقطہ جس کے گرد مسلمانوں کی تمام کوششیں محیط ہیں۔ اور جن کو روز بروز بنانے کیلئے قائد اعظم نے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ تاآنکہ ہم منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔

قائد اعظم کی تقریروں کا یہ مجموعہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے تعلیم سیاسیات کے نصاب میں داخل کیا جائے ارباب دانش بشمول اہل ہنود ان کے مطالعہ کے بعد جب غور کرینگے تو یقین ہے اس رائے کی تائید کرینگے کیونکہ دیانت دارانہ سیاسیات عملی کے انکشاف اور توضیح و تشریح کی یہ غالباً پہلی مثال ہے —— اور ایک اور اکیلی!

قدیم یونان اور رومتہ الکبریٰ کی تہذیب و تمدن سے لیکر آج تک اکثریتوں اور اقلیتوں کا جھگڑا ہر زمان و مکان میں چلا آیا ہے اور تاریخ یہ سبق سکھاتی ہے کہ اس کا منصفانہ فیصلہ ہمیشہ کامرانی کا حامل ثابت ہوا۔ اور اہل فوقیت کا ناروا رویہ اس کے خلاف —— ! تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جب اور جہاں مسلمان اکثریتوں کو غیر مسلم اقلیتوں سے واسطہ پڑا، آخر الذکر کے حقوق کی کامل حفاظت کی گئی۔ قائد اعظم اور مسلمان اسی حقیقت پر پاکستان میں عمل کرینگے۔ یہی ہے وہ بین الاقوامی دیانت جس کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا۔ اور یہی وہ منطقی نتیجہ جو "اجتماع مذہب و سیاست کے اصول سے لامحالہ نکلتا ہے" اور جس پر عامل ہونے کے مسلمان پابند ہیں۔ بلکہ آئین پاکستان کے نفاذ کے وقت عامۃ المسلمین صرف ان مسلمانوں کو اپنا نمائندہ بنا کر مجلس قانون ساز میں بھیجیں گے جو پہلے اس امر کا اقرار صالح کر لیں گے کہ ہم شرع اسلام کے قائم کردہ آئین سلطنت سے سرِ مو انحراف نہ کرینگے۔ گویا وجود پاکستان کی نوعیت اور جبلت میں اقلیتوں کے ساتھ شیوہ انصاف و طریق راستبازی شامل ہونگے۔

چنانچہ ہم ہندوستان میں مسلمانوں کی اقلیت کے ساتھ منصفانہ سلوک کے متوقع ہونگے۔ اس مسلم اقلیت کو اگر ہندو یرغمال تصور کریں تو ہمیں اعتراض نہیں بلکہ ہمارے یہ مسلمان بھائی تو ابھی سے اس امر کے لئے تیار رہیں کہ اگر ہم سے اچھا سلوک نہ ہوا تو بلا سے نہ ہو لیکن آپ اکثریت کے مسلم صوبوں میں پاکستان ضرور

قائم کریں۔ ان حقائق کے متعلق قائد اعظم کے ارشادات ہندوؤں کے لئے نہایت درجہ غور طلب ہیں۔ میری رائے میں شاید مسلمانوں سے بھی بڑھ کر ہندوؤں کیلئے اس کتاب کا مطالعہ لازمی ہے اس لئے کہ اگر ہندوؤں نے مسلمانوں کا یہ مطالبہ خوشیِ خاطر سے مان لیا تو ہندوستان کے دونوں اہم ترین مسئلے بخیر و خوبی حل ہو جائیں گے۔ یعنی ہندو اور مسلم کا نفاق حرفِ غلط کی طرح مٹ جائیگا اور ہندوستان کی سیاسی آزادی کی راہ نکل آئیگی۔

قائد اعظم نے ان تقریروں میں مسلمان نوجوانوں کو خصوصیت سے مخاطب کیا اور راہ عمل کی طرف بلایا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلم لیگ کی قیادت میں معاشری، تعلیمی اور اقتصادی ترقی کیلئے انتہائی کوشش کی جائے اور اس طرح مسلمانوں کو وہ قوت حاصل ہو کہ اپنا مطالبہ منوانے میں کامیاب ہو سکیں۔ قوت کے سامنے سب سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ اور پھر قوت بھی وہ قوت جس کی بنیادیں صداقت اور انصاف ہوں۔ مجھے اس دیباچہ میں نہ تو تقریروں کا خلاصہ لکھنا مقصود تھا نہ ان پر تبصرہ کرنا۔ مگر میں نے یہ قطعاً ضروری سمجھا کہ دو ایک نسبتاً اہم نکات پیش کردوں، اور جہاں تک مجھ سے ممکن ہے ارشادات جناح کے مطالعہ پر شبان اسلام کو آمادہ کروں کیونکہ اُنہی کے ہاتھوں میں آئندہ عنان حکومت پاکستان ہوگی اور اس وقت بھی جب کہ اسلامیان کہن سال اس کی تعمیر میں مشغول ہیں نوجوانوں کی امداد ناگزیر ہے۔

مبارک ہونگی وہ ہستیاں —— یار و اغیار دونوں کی ہستیاں، جو قائد اعظم کے بیان کردہ اصولوں کو حرزِ جان بنائیں گی۔ اور موجودہ شور و شر کے مٹانے کے لئے تعمیر پاکستان میں مدد دینگی۔

مترجم

قائد اعظم

کی وہ تقریر جو آپ نے (ہندوستان میں آئینی اصلاحات کے متعلق
مجلس مشترکہ پارلیمان برطانیہ کی رپورٹ پر) مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی میں
۷ رفروری ۱۹۳۵ء کو ارشاد فرمائی!

سیاسی پس منظر:۔ ہندوستان کے لئے جدید آئینی اصلاحات کی تجویز و تشکیل کے لئے تین بار رائونڈ ٹیبل کانفرنس (گول میز کانفرنس) کے اجلاس لندن میں ہوئے۔ کانفرنس کی بحث و تمحیص کے بعد حکومت برطانیہ نے ایک بیان شایع کیا اور اس میں اپنی تجاویز کی تشریح کردی۔ اس کے بعد پارلیمان برطانیہ کے دارالعوام اور دارالامرا کے چند ممبروں کی ایک مشترکہ مجلس مقرر کی گئی اور مزید بحث کا کام اسے سپرد کیا گیا۔ اس مجلس میں طویل بحث ہوئی۔ بڑے بڑے لوگوں اور مختلف انجمنوں اور فرقوں کے نمائندوں کی شہادتیں لی گئیں۔ پھر شہادتوں پر بھی جرح کی خوب داد دی گئی۔ انجام کار مجلس نے اپنی سفارشات پر مشتمل ایک رپورٹ شایع کردی۔

ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کو سفارشات مذکورہ پر بحث اور اظہار رائے کی دعوت دی گئی۔ مجلس مشترکہ پارلیمان کی رپورٹ میں تین امور نہایت اہم تھے ایک یہ کہ مرکزی حکومت ہند اجتماعی (فیڈرل) ہو اور اس میں برطانوی صوبے

اور ریاستیں، دونوں شامل ہوں - دوسرے یہ کہ صوبوں کو صوبائی حکومت خود اختیاری (پراونشل آٹونومی) دی جائے - تیسرے یہ کہ فرقہ دارانہ تقسیم حقوق کا اصول قائم رہے - مجلس نے اس تقسیم کی تفصیل بھی لکھ دی کہ مختلف اغراض اور فرقوں کو مرکزی اور صوبائی مجالس میں کس تناسب سے کیا حصہ دیا جانا چاہئے -

جب یہ رپورٹ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں پیش ہوئی تو بحث نے ایک قرارداد کی صورت اختیار کر لی - جس میں رپورٹ کی منظوری کی سفارش کی گئی - اس پر کانگرسی ممبروں اور مسٹر جناح نے اپنی اپنی ترمیمات کی تحریک کی -

یہ دعویٰ بلا خوف تردید کیا جا سکتا ہے کہ اس بحث میں سب سے زیادہ وزن دار، وقیع، منصفانہ اور حقائق پر مبنی دلائل مسٹر جناح نے انڈیپنڈنٹ پارٹی (آزاد فریق) کے لیڈر کی حیثیت میں پیش کئے اور اسلامیان ہند کی کامل نمائندگی کا حق ادا کر دیا - قائداعظم کی سفارشیں نہ صرف قابل عمل تھیں - بلکہ اس قدر صحیح کہ کسی دانا سیاست دان کو ان سے اختلاف نہ ہونا چاہئے -

سفارشات مجلس مشترکہ سے متعلق مسلمانوں کے نزدیک صورت حال مختصراً یہ تھی:-

(۱) مرکزی حکومت کے لئے مجوزہ اصلاحات ترقی کی طرف قدم نہیں اٹھائیں - بلکہ ملک کو الٹے پاؤں چلنا پڑے گا - ان کا امتیاز ترقی نہیں تنزل ہے - ان میں نقص و نقصان کا عنصر غالب ہے -

(۲) اگرچہ مجوزہ صوبائی حکومت خود اختیاری میں بہت سے قابل اعتراض امور موجود ہیں مگر بہ حیثیت مجموعی اسے ترقی یافتہ تجویز کہا جا سکتا ہے - اور صوبوں کو سنہ ۱۹۲۱ء کے قانونی حکومت ہند سے بڑھ کر اختیارات دیئے گئے ہیں -

(۳) فرقہ دارانہ فیصلہ اس وقت تک ضرور قائم رکھا جانا چاہئے جب کہ ہندوستان کے مختلف فرقے باہمی رواداری اور تائید و تصدیق کے ساتھ ایک فیصلہ اپنے لئے خود کریں اور ایک دوسرے کی رضا و رغبت کے ساتھ اپنے اپنے حقوق اچھی طرح واضح کر دیں۔

مسٹر جناح نے اس بحث کے دوران میں دنیا پر ثابت کر دیا کہ وہ معرکہ ہائے سیاست کے وقت لشکر کشی اور سپہ سالاری میں جوہر کامل کے سرمایہ دار ہیں۔ اور کارزار سیاست میں غضب کے فن کار۔ پھر لطف یہ کہ دوست دشمن دونوں ان کے اس کمال کا اعتراف کرتے ہیں۔

مسٹر جناح کی ترمیم تین اجزا پر مشتمل تھی۔ پہلے یہ کہ موجودہ فرقہ دارانہ فیصلہ اس وقت تک قابل قبول رہے جب کہ تمام فرقے باہمی سمجھوتہ کر کے ایک نئے فیصلہ پر رضامند ہوں۔ ترمیم کا یہ حصہ حکومت ہند کے ممبروں کی تائید اور کانگرس کی غیر جانبداری کے ساتھ منظور کیا گیا۔

مسٹر جناح کی یہ سفارش کہ مجوّزہ صوبائی حکومت خود اختیاری ناقص اور غیر تسلی بخش ہے۔ نیز یہ کہ مجوّزہ مرکزی آئین تو قطعاً ناقابل قبول ہے۔ اور اس لئے تجاویز آئین جدید سے خارج کر دینا چاہئے۔ منظور کی گئی۔ اس وقت کانگرس نے مسٹر جناح کی تائید کی۔

ساری بحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا نے تسلیم کیا کہ ترمیم کی منظوری مسٹر جناح کی ذاتی فتحمندی کے برابر ہے۔ اور وہ پارلیمانی مباحثات اور سیاسی ذہن و ذکا میں دور حاضر کے بلند ترین مدبّرین اور مفکرین میں سرِ فہرست جگہ پانے کے مستحق ہیں۔

(یہ حقیقت فراموش نہ ہو کہ اس بحث کے زمانے (۱۹۳۵ء) میں مسٹر چرچل نے ایک سرکردہ قدامت پسند ممبر کی حیثیت میں آئین جدید کی شدید ترین مخالفت کی تھی) اب تقریر ملاحظہ ہو اور یہ بھی دیکھا جائے کہ کس طرح مسٹر جناح تقریر کرتے جاتے ہیں اور جب مخالفین اور موافقین بات کاٹتے ہیں تو اس کا جواب بھی دیتے جاتے ہیں۔"

مسٹر جناح ۔ (صدر کو مخاطب کرتے ہوئے) جناب والا! میں آج کے ایسے اہم ترین موقع پر ایوان کو اُن حملوں اور غلط بیانیوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جن کا نشانہ مجھے بنایا گیا۔ اور مسئلہ زیر بحث کے متعلق میرے خیالات اور صحیح منشا کی غلط کیفیت دنیا کے سامنے پیش کی گئی۔ بہت دن نہیں گزرے کہ اپنی ۲ رفروری کی اشاعت میں "سٹیٹسمین" جیسے رتبہ اور وقار کے اخبار نے میری نسبت لکھا۔ "کانگرس پارٹی جس کے ہم خیال اور پیرو بہت لوگ ہیں، کو حرکت میں لانے والی سب سے بڑی چیز نسلی منافرت ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان لوگوں کو ہمیشہ مسٹر جناح جیسے حامیان کار بے مانگے اور عین وقت پر گو عارضی طور پر ملتے رہینگے۔" جناب والا! میں سٹیٹسمین کے اس بیان کو اپنی پوری قوت کے ساتھ رد کرتا ہوں۔

(یہاں حزب مخالف کی نشستوں سے آوازیں آئیں — "سنئے! سنئے!!")

میرے دل میں کسی نسل کے لئے کوئی جگہ نفرت کے لئے نہیں۔ [سنئے! — سنئے!]

[سر محمد یعقوب۔ "شرم شرم، اس اخبار کو شرم آنی چاہئے۔"]

مسٹر جناح:— اس کے بعد اخبار مذکور یوں لکھتا ہے —— "مسٹر جناح جو آغاز کار میں، گول میز کانفرنس کے ایک سرگرم رکن تھے .... وغیرہ"

جناب والا! میں تسلیم کرتا ہوں کہ شروع میں واقعی میں ایک گرم جوش رکن تھا۔ بلکہ آپ کی اجازت سے میں یہاں تک کہوں گا کہ سب ممبروں میں پیش پیش تھا۔ مگر یہ بھی واضح ہو کہ مرکز میں اجتماعی حکومت کے قیام کے لئے میری سرگرمی کا کوئی وجود نہ تھا۔ میرا خیال غلط ہو یا درست، مگر امر واقعہ یہ ہے کہ آئینی تجویز کی تشکیل کے مباحثات کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ میرے دل میں اس کی کامیابی کے متعلق شبہات پیدا ہو گئے تھے۔ میں جانتا تھا کہ اس تجویز پر جب عمل کیا جائے گا تو وہ ہندوستانیوں کی جائز تمنائے ترقیات کی تشفی نہ کر سکے گا۔

جناب والا! اخبار مذکور آگے چل کر میری نسبت لکھتا ہے کہ — "مسٹر جناح کو اس تجویز سے اس لئے اطمینان حاصل نہیں ہوا کہ انھیں گول میز کانفرنس کے آخری اجلاس میں شمولیت کی دعوت نہیں دی گئی۔"

بہت سے ممبر۔ "شرم! شرم!"

مسٹر جناح۔ "مجھے کانفرنس میں شامل ہونے کی دعوت نہ دینے کی اصلی وجہ یہ تھی کہ میں شروع سے ہی اس تجویز کی تشکیل کا سخت اور شدید مخالف تھا جو زیر غور تھی اور یہ وجہ ہرگز ہرگز نہ تھی کہ میں گول میز کانفرنس کے تیسرے اجلاس میں شمولیت کی دعوت نہ ملنے کے سبب سے تجویز کا مخالف ہو گیا۔

جناب والا! اس قسم کا جھوٹ بولنا۔ اس طرح اشارۃً اور کنایتہً مجھ پر الزام لگانا۔ اور ایسے غلط خیالات کا اظہار کرنا کسی اخبار کے شایان شان نہیں بشرطیکہ وہ اخبار کہلانے کا مستحق ہو۔

مسٹر ہنری کریک۔ اُمید ہے کہ معزز مقرر مجھے اخبار کے ان بیانات کا ہم نوا

نہیں سمجھتے۔ بات یہ ہے کہ وہ اس وقت تقریر کرتے کرتے میری طرف دیکھتے جاتے ہیں مجھے اخبار کے ان فقرات سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں اپنے رفیق کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ فقرے جو انھوں نے پڑھ کر سنائے اس سے پہلے میری نظر سے گزرے ہی نہیں۔ میں نے تو یہ بھی نہیں سنا تھا کہ اس قسم کا کوئی مضمون طبع ہوا ہے اور حقیقت میں آج پہلا موقع ہے کہ میں نے اس کی نسبت اپنے معزز دوست کی زبانی سُنا۔"

سر محمد یعقوب "مگر اب قیاس غالب ہے کہ جناب ہوم ممبر صاحب (سر ہنری کریک) مسٹر جناح کے ان خیالات کی ضرور تائید کریں گے جن کا اظہار وہ اخبار کے متعلق کر رہے ہیں"

مسٹر جناح ۔ جناب والا! بہتر یہی ہے کہ میں نے جو کچھ کہا اسی پر اکتفا کروں۔ میں ایک لمحہ کے لئے بھی معزز ہوم ممبر صاحب کو ہدف ملامت نہیں بناتا۔ یہی نہیں بلکہ میں مضمون نگار کے علاوہ کسی انگریز کو بھی اس نکتہ چینی کا نشانہ قرار نہیں دیتا جو میں نے اخبار کے متعلق روا رکھی۔

سر ہنری کریک ۔ مجھے اس کی نسبت کوئی علم نہیں۔

مسٹر جناح ۔ میں سردست اس کے متعلق اور کچھ نہیں کہوں گا۔ جناب والا! اب میں نفس بحث کو لیتا ہوں۔ سب سے پہلے میں اُن آراء پر اپنے خیالات کا اظہار کروں گا جو میرے معزز دوست اور حزب مخالف کے لیڈر مسٹر ڈیسائی نے پیش کیں۔

جناب والا! میں اُن کی ترمیم کی تائید کرنے سے قاصر ہوں۔ کیونکہ وہ قرارداد کو قطعی طور پر خارج از عمل بتاتے ہیں اور اسے قابل رد قرار دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں نے ان کا منشا ٹھیک سمجھا۔ وہ کہتے ہیں مجلس مشترکہ پارلیمان برطانیہ کی زیر بحث رپورٹ اور سفارشات کو بنیاد ٹھہرا کر کسی قسم کا نیا آئینی قانون وضع نہ ہونا چاہئے۔

اس کے یہ معنی ہوئے کہ اگر ہم مسٹر ڈیسائی کی رائے قبول کرلیں تو سارا جھگڑا ہی پاک ہوا بلکہ وہ خود مانیں گے کہ کوئی بات ہی باقی نہ رہی - انتہا یہ کہ فرقہ دارانہ فیصلہ کے متعلق ان کی غیر جانب داری کا بھی کوئی موقع موجود نہ رہے گا - چنانچہ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جب آپ نے جدید آئین کی تجویز کو سر سے پاؤں تک کلّی طور پر رد کر دیا تو پھر فرقہ دارانہ فیصلہ کے متعلق آپ کی غیر جانبداری کیونکر بمعنی سمجھی جائے؟

جناب والا! میں مسٹر ڈیسائی کی یہ رائے قبول نہیں کر سکتا - انھوں نے تجویز تو قطعاً رد کر دی مگر اس کا کوئی بدل پیش نہ کیا - بدل تو میرے پاس بھی کوئی نہیں لیکن اُن کی ترمیم کی تائید بھی کسی طرح ممکن نہیں - کیونکہ جو صورت حال انھوں نے اختیار کی ہے "کلام نفی" کے برابر ہے - اس میں اثبات کا نام و نشان تک نہیں -

جناب والا! اس نفی، اس انکار کے پیش نظر میں اپنی ترمیم کی تحریک کرنے پر مجبور ہوا ہوں - میری ترمیم فرقہ دارانہ فیصلہ کو تسلیم کرتی ہے - مگر کب تک؟ یاد رہے کہ صرف اس وقت تک جب کہ سارے فرقے باہمی اتحاد و اتفاق سے ایک فیصلہ پر پہنچ جائیں - اب غور طلب امر یہ ہے کہ ہمارے ہندو احباب موجودہ فرقہ دارانہ فیصلہ کو تسلی بخش نہیں سمجھتے - مگر میں ایوان ہذا کی خدمت میں عرض کرونگا کہ مسلمانوں کو بھی اس فیصلہ پر اطمینان نہیں ہے - (سنیئے! سنیئے) کیونکہ یہ فیصلہ ان کے جملہ مطالبات کو نہیں مانتا - اگر میری نسبت پوچھیں تو میں بھی ذاتی طور پر اس سے خاطر جمع نہیں ہوں میری وضعداری کی تشفی اس وقت ہو گی جب کہ ہم لوگ فرقہ دارانہ فیصلہ کی تخلیق خود کریں گے -

ایک ممبر - (طعن کے لہجہ میں) شکریہ! پھر باقی!

دیگر آوازیں۔ (بطور تحسین) سنئے! سنئے!

مسٹر جناح۔ محض تشکریہ بیکار۔ بندہ نواز! میری بات پر بھی غور کیجئے سوال یہ ہے کہ میں فرقہ وارانہ فیصلہ کو ناپسند کیوں کرتا ہوں؟ میں اس کے متعلق واقعات دہرانا نہیں چاہتا۔ مگر میں ایوان کی خدمت میں ضرور یہ عرض کرونگا کہ میں اس فیصلہ کو اس لئے قبول کرتا ہوں کہ باہمی سمجھوتے کے لئے جہاں تک ہم سے بن پڑا ہم نے کیا۔ مگر کوئی متحدہ فیصلہ نہ کر سکے۔ اس کا نتیجہ لامحالہ یہی ہو سکتا ہے کہ خواہ مجھے یہ فیصلہ پسند ہو یا ناپسند مگر اسے ماننے کے سوا چارۂ کار نہیں۔ وجہ یہ کہ اس کے بغیر کوئی جدید آئین وضع کرنا قطعاً ناممکن ہے۔

[سرکاری نشستوں سے آوازیں۔ سنئے! سنئے!]

پس میں کہتا ہوں کہ رپورٹ کو بالکل رد کرنے کے زبانی ادعا کو مہربانی فرماکر پیش کرنے سے باز آیئے۔ اب ان باتوں کا وقت نہیں۔ سردست اور کم سے کم عارضی طور پر اس فیصلہ کو جوں کا توں رہنے دیجئے۔

میں ان امور میں حزب مخالف کے معزز لیڈر کی دل سے تائید کرتا ہوں کہ ہمیں مذہب کو سیاسیات میں مخل ہونے کی اجازت نہ دینا چاہیئے۔ اسی طرح نسل کے مسئلہ کو بھی سیاسیات سے الگ رکھنا لازم ہے۔ اور اس کے علاوہ زبان کا سوال بھی چنداں اہم نہیں۔ مگر میں کہونگا کہ اگر ان امور پر ایک ایک کرکے اور الگ الگ نگاہ ڈالیں اور سیاسیات سے ان کی علیحدگی لازم قرار دیں تو ایک بات ہے —— واقعی یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہب کا معاملہ افراد اور خدا کے مابین ایک ذاتی تعلق سے متعلق ہے۔ مگر میں اپنے معزز دوست سے ایک بار پھر پوچھتا ہوں کہ کیا آئین جدید کی تشکیل کو محض مذہب،

فقط زبان یا صرف نسل ہی غرض ہے؟ نہیں۔ جناب والا نہیں۔ دراصل یہ فیصلہ طلب معاملہ جو زیر بحث ہے ایک سیاسی مسئلہ ہے۔ اور اس کو اقلیتوں سے واسطہ ہے۔

[چند مسلمان ممبر۔ یہ بھی کہئے کہ تہذیب و تمدن سے متعلق ہے]

جناب والا! کیا دنیا میں ایسے ممالک موجود نہیں جہاں اقلیتوں کے مسائل موجود نہ ہوں؟ کیا وہاں ان کا مقابلہ نہیں کیا گیا۔ اور انجام کار وہ حل نہیں کئے گئے؟ ہمیں بھی یہ مسئلے حل کرنے ہی پڑیں گے۔ اب دیکھنا ہے کہ اقلیتیں کسے کہتے ہیں؟ اقلیتوں کی ہستی متعدد حقایق کے اجتماع کا نام ہے۔ یہ بات عین ممکن ہے کہ کسی ملک کے اندر کسی اقلیت کا مذہب اس سرزمین کے باقی سب شہریوں سے مختلف ہو۔ اقلیت کی زبان، نسل، اور تہذیب بھی جداگانہ ہو۔ پھر اس طرح ان مختلف النوع عناصر یعنی مذہب، زبان، نسل تہذیب، فنون لطیفہ، موسیقی اور طرز معاشرت کے اجتماع نے اس اقلیت کو ایک متمیز اور مکمل وحدت دے رکھی ہو۔ اور اس وحدانی ہستی کا یہ تقاضا ہو کہ اس کی بقا کے لئے بعض تحفظات موجود ہوں۔ اگر صورت حال یہ ہو تو کیا یہ لازم نہیں کہ ہم اقلیتوں کی ہستی کو ایک سیاسی مسئلہ قرار دیں۔ اسے حل کر کے رہیں اور اس سے بچنے کی کوشش نہ کریں۔

جناب والا! میرے معزز دوست نے دوران بحث میں ایک بات بطور کلام صادق پیش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "تحصیل پہلے اور تقسیم پیچھے"۔ یعنی پہلے حاصل تو کریں پھر تقسیم بھی ہو جائے گی۔ میں نہایت ادب سے عرض کرونگا کہ ان کے اس بیان میں ایک بہت بڑی منطقی غلطی ہے۔ یہ تحصیل اور تقسیم کا سوال مطلق نہیں۔ یہ کسی اراضی کا قضیہ نہیں کہ پہلے اس پر قابض ہونا چاہئے۔ یہ کوئی کاروبار نہیں کہ ہم نفع کر کے پہلے

کچھ منافع حاصل کریں اور پھر جو کچھ ہاتھ لگے اسے بطور مال غنیمت آپس میں بانٹ لیں
میں کہتا ہوں کہ اگر ہم ان کے اس ادعا کو بفرض محال درست بھی مان لیں تو ان کے
پاس اس بات کا کیا جواب ہے کہ مہاتما گاندھی نے "موت کا برت" رکھا اور تمام ہندوستانی
لیڈروں کی آمادگی اور رضا و رغبت کے ساتھ اس "معاہدہ پونا" کو وجود میں لا کر دم
لیا جو فرقہ دارانہ فیصلہ کے ضمن میں ہندوؤں کی پسماندہ جماعات سے متعلق تھا۔

[سنئے ! سنئیے !]

ان لوگوں سے کیوں نہ کہا گیا کہ دیکھیے پہلے حاصل تو کر لیں پھر تقسیم بھی کر لینگے (سنئے! سنئیے!)
بات یہ ہے کہ مہاتما گاندھی راستی پر تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ لوگ ہندوؤں کی نسل
سے تھے۔ واقعی یہ پانچ چھ کروڑ انسان ہندو ہیں۔ ہاں میں اس معاملہ میں مہاتما گاندھی
کو سچا سمجھتا ہوں۔ اور ان کی تائید کرتا ہوں۔ میں نے انگلستان میں مہاتما گاندھی
سے انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ التجا کی اور کہا کہ پسماندہ ہندوؤں کو حقوق دیئے گئے
ہیں ان سے مت چھینیئے۔ مگر انھوں نے میری ایک نہ سُنی۔ اور کہا تو یہی کہا کہ میں ہندوؤں
کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کروں گا۔ میں نے بار بار منت سماجت کی اور یقین کیجیے
کہ میں نے مہاتما گاندھی کی خدمت میں ان جماعتوں کے حقوق کی اس قدر وکالت کی
کہ مسلمانوں کی بھی نہ کی ہوگی۔ مگر مہاتما گاندھی نے انکار کیا اور شدید انکار —! پھر بھی
غنیمت ہے کہ انجام کار مہاتما گاندھی کو پسماندہ ہندوؤں کے حقوق کا خیال ہو گیا۔ میں
ہندو بھائیوں کو اس امر پر مبارکباد کہتا ہوں کہ انھوں نے پسماندہ ہندوؤں کی
حفاظت کے لئے تحفظات منظور کیے۔ ان لوگوں کو اپنا ہم نوا اور مددگار بنا لیا۔ اور آج
مہاتما گاندھی ان کے سود و بہبود کے لئے کوشاں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس قسم کا سلوک

ہم مسلمانوں سے روا رکھئے - آیئے ہم اور آپ ایک دوسرے کے مدد معاون بن جائیں - مسلمان ایسی شرکت کے لئے تیار ہیں - [سنئے! سنئے!] میں فرقہ دارانہ فیصلہ کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا - اب میں اپنی ترمیم کی جانب رخ کرتا ہوں اس ایوان کے محترم لیڈر نے اپنی تقریر میں مجھے بڑی شدت سے مطعون کیا - اور میری رائے کو قابل ملامت ٹھہرایا ہے - انھوں نے فرمایا کہ وہ حزب مخالف کے لیڈر کی پیش کردہ ترمیم کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں - کیونکہ وہ ترمیم کنندہ کی دیانت داری پر مبنی ہے - مگر میری ترمیم کو ذلیل اور ادنیٰ قرار دیا - ....

سرابن سرکار - بلکہ پرفریب - مکاری اور دغا پر مبنی بھی ---!

مسٹر جناح - ان کی تقریر نے مجھے یہ بات یاد دلائی کہ جب ایک کم لیاقت وکیل کو کسی جھوٹے دعوے کی وکالت کرنی پڑتی ہے تو وہ فریق مخالف کو گالیاں دینے لگتا ہے - اسی طرح ایوان کے لیڈر نے مجھے گالیاں دینے سے اپنی تقریر کا آغاز کیا مگر ہمیں یہ نہ بتایا کہ میری ترمیم کن وجوہ سے بری ہے - اور کیوں ادنیٰ، ذلیل اور پرفریب ٹھہرائی جانے کی مستحق ہے؛

سرابن سرکار - میں ساڑھے تین بجے بتاؤں گا -

مسٹر جناح - خوب! یہ ہے آپ کا داؤ پیچ؟ مگر ان حیلوں سے آپ ایوان کے ساتھ ناانصافی کر رہے ہیں - اگر آپ ہائی کورٹ میں ہوتے اور اپنے جواب کی تیاری کے لئے اس طرح وقت ڈھونڈھتے تو ایک بات تھی - میرا مطالبہ یہ ہے کہ حکومت ہند اپنے تمام دلائل صاف اور کھلے طور پر بہ یک وقت پیش کر دے - اور مجھے پہلے یہ بتائے کہ میری ترمیم کیوں پُر دغا ہے - کیوں ادنیٰ اور ذلیل ہے - اسے کیوں دیانت

سے بعید بنایا جا رہا ہے۔

سرا ین سرکار - میں نے دلائل بیان کر دیئے ہیں۔

مسٹر جناح - نہیں، آپ نے بیان نہیں کئے۔ آپ کا دعویٰ یہی ہے نا کہ اگر اسمبلی نے مسٹر جناح کی ترمیم کا تیسرا جزو منظور کر لیا۔ یعنی یہ کہ مجوّزہ آئین میں مرکزی اصلاحات اور فیڈریشن کے قیام کی سفارش اور تجویز رد کر دینی چاہئے۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ترمیم نے عمارت کی بنیاد اکھاڑ دی اور اوپر کی منزل قائم رہی۔ اور ہمارے لئے صرف یہ کام باقی رہا کہ اس کے دروازوں کے شیشے اور دریچے بدل دیں۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ آپ نے سفارشات زیر بحث کا مطالعہ بھی کیا ہے یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ معاملہ زیر بحث نہ کسی بنیاد سے متعلق ہے نہ کسی منزل سے۔ یہ محض آپ کی داستان گوئی ہے۔ جائیے اور یہ کہانیاں بچّوں کو سنائیے۔ [بلند قہقہہ]

اس عمارت میں کسی منزل یا بالائے منزل کا وجود موجود نہیں۔ اور میں یہ حقیقت ابھی واضح کرتا ہوں۔ ہم کیا کر رہے ہیں۔ یہی کہ ایک آئینی تجویز کی تعمیر میں مصروف ہیں، جو پہلے تو صوبوں پر حاوی ہوگی پھر مرکزی حکومت پر۔ یہ دونوں چیزیں یکجا ہیں یعنی فرش زمین پر۔ منزل کوئی نہیں۔

مجھے یہ دھمکی بھی دی گئی ہے کہ اگر میری تیسری ترمیم منظور کی گئی تو ساری تجویز و سفارش گر جائے گی۔ مگر یہ سفارشیں اور تجویزیں یا مجوزہ قانون خود کیا کر رہا ہے؟ مشترکہ پارلیمانی رپورٹ خود کیا کہتی ہے؟ یہ کہتی ہے کہ سب سے پہلے صوبائی حکومت خود اختیاری پراونشل آٹونومی وجود میں لائی جائے گی۔ یعنی اس وقت جب کہ قانون

وضع کر دیا جائے گا۔ یا اُس کے بعد بہت جلد۔ مگر فیڈریشن (اجتماعی حکومت) فوراً قائم نہ ہوگی۔ میرا قیاس ہے کہ اس کو قائم ہوتے ہوتے دو تین سال گزر جائینگے بلکہ پانچ برس تک لگ جائیں تو عجب نہیں۔ خود رپورٹ اور (اس کے پیشرو) قرطاس ابیض (وہائٹ پیپر) میں لکھا ہے کہ صوبائی حکومت خود اختیاری کے کامل عمل دخل کے بعد بھی اجتماعی حکومت کے قیام کے متعلق مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور شرائط بھی ہیں جن کا پورا کرنا لازم ہے۔ والیان ریاست کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے۔ پھر اُن کی شمولیت کی شرائط کا طے کرنا لابد ہے۔ نیز متعدد اور امور ہونگے جنھیں طے کرنا پڑے گا۔ مزید براں مشترکہ پارلیمانی رپورٹ کے صفحہ ۲۸۶ پر ہم یہ عبارت دیکھتے ہیں۔

"غالباً یہ امر مناسب یا ممکن ہے کہ ضروری سمجھا جائے کہ مرکزی حکومت میں تبدیلیاں کرلے اور والیان ہند کے شامل ہونے سے پہلے جدید صوبائی حکومتیں وجود میں لائی جائیں۔ مگر خود مختار صوبوں کا معرض وجود میں آنا مرکز میں کامل اجتماعی حکومت قائم کرنے کی جانب پہلا قدم ہوگا۔ جس کے لئے "قانونِ آئین" دفعات وضع کرے گا۔ اور ملک معظم کی حکومت نے بیان کیا ہے کہ اگر ہمارے قابو سے باہر اسباب ایسے پیدا ہوگئے جو اس پروگرام کے عمل میں رکاوٹیں پیدا کریں تو کامل صورت حال پر از سرِ نو غور کیا جائے گا۔ اور اس میں ہندوستانی رائے سے مشورہ کیا جائے گا۔ پس "قانون آئین" میں بعض دفعات وضع کی جائینگی اور یہ اس مدت پر حاوی ہوں گی جو فیڈریشن کے مکمل قیام اور صوبائی حکومت اختیاری کے مابین حائل ہوگی۔ اس مقصد کے لئے ان عارضی

انتظامات کی نوعیت کی تشریح ان تجاویز کے پیراگراف ۲۰۲ میں کر دی گئی ہے"۔

مسودہ قانون کے اس اندراج کے پیش نظر کہنا چاہیئے کہ مرکز میں اجتماعی حکومت کا وجود پھر بھی معطل ہی رہا۔ چنانچہ یہ پارلیمان کے ہر دو ایوان کی رائے پر منحصر ہوگا۔ اور چند اور شرائط کا پورا کرنا بھی ضروری ہوگا۔ اس کے متعلق میں آپ کو یہ جواب دیتا ہوں۔ مہربانی فرما کر اس تجویز پر عمل کرنے سے ہاتھ اٹھائیے۔ یاد رکھئے کہ میں تجویز فیڈریشن ہی کے متعلق کہہ رہا ہوں اور اصرار اور تاکید کے ساتھ کہ اسے روک دیجئے۔ میں ان حالات یعنی رکاوٹوں کا انتظار نہیں کرنا چاہتا جو فیڈریشن کی راہ میں حائل ہونگی۔ میری قوت فیصلہ کہتی ہے کہ وہ حالات ابھی سے پیدا ہو رہے ہیں۔ بلکہ ہو چکے ہیں۔ اور سنئے وہ حالات یہ ہیں۔ میں نے آپ کی تجویز کا مطالعہ کیا ہے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ کامل طور پر کرم خوردہ ہے۔ اس کی بنیاد ہی بیہودہ اور بُری ہے۔ اور قطعاً ناقابل قبول۔ [ایک آواز۔ کیوں؟] مجھے یہ کہا جاتا ہے کہ مسودہ قانون تمام و کمال ترک کر دیا جائے گا۔ میں اس سوال کا جواب طلب کرتے ہوئے آپ کو یہ بتاتا ہوں کہ میں مرکز کے متعلق ساری تجویز کا کیوں مخالف ہوں۔ میرا جواب یہ ہے۔ (صاحبِ صدر کو مخاطب کرتے ہوئے) جناب والا! پہلے تو آپ اپنے ہی الفاظ پر غور کیجئے۔۔۔ اس حیثیت میں نہیں کہ آپ اس ایوان کے صدر ہیں بلکہ اس حیثیت میں کہ آپ ایک ملکی مدبر ہیں۔ ایک بہت بڑے لیڈر ہیں اور اسمبلی میں انڈیپنڈنٹ پارٹی (آزاد پارٹی) کے بھی لیڈر۔ آپ نے فرمایا تھا کہ "یہ تجویز کامل طور پر خلاف حقائق و معارف ہے۔ مصنوعی ہے اور اس کی مثال دنیا بھر کے کسی آئین میں نہیں ملتی"۔ میں اس میں یوں اضافہ کرتا ہوں۔ یہ تجویز

ان تمام بنیادی اور لازمی عناصر نیز ان اصولی اور قطعی ضرورتوں سے معرّا ہے جو کسی فیڈریشن کے قیام کے لئے لازم و لابد ہوتی ہیں۔ میری دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ تجویز والیان ہند کی شمولیت کے لئے ایسی شرائط پیش کرتی ہے۔ اور ان کو شمولیت سے پہلے قطعی طور پر وجود میں لانے پہ مصر ہے جو بلا شک و شبہ برطانوی ہند کے اغراض بالاترین اور مقاصد اولیں کے منافی ہیں۔ میری نسبت یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ میں والیان ہند کے خلاف ہوں لیکن میں اُن کے خلاف نہیں ہوں۔ میں کسی شخص کا بھی مخالف نہیں۔ میں برطانوی ہند کا رفیق ہوں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ میں والیان ہند سے بے تعلق رہنا چاہتا ہوں۔ میں اس امر کا اظہار بار بار کر چکا ہوں کہ میں ایک آل انڈیا فیڈریشن (کل ہند کی اجتماعی حکومت) کی مخالفت نہیں کرتا۔ اور آنریبل ممبر معاملات داخلہ (ہوم ممبر) بجا طور پر کہہ چکے ہیں کہ خود مہاتما گاندھی بھی آل انڈیا فیڈریشن کے مخالف نہیں ہیں۔ ان حقائق سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ جب میں یہ کہوں کہ میں تو فیڈریشن کے خلاف نہیں ہوں تو اس سے یہ مطلب نہیں کہ آپ مجھے کسی ایسی تجویز کو قبول کرنے پر مجبور کریں جو آپ نے اختراع کی ہو خواہ کتنی ہی بُری اور ناقابل قبول کیوں نہ ہو۔ کیا یہ ہے آپ کی دلیل؟ اصل معاملہ یہ نہیں ہے کہ ہم آل انڈیا فیڈریشن کے خلاف ہیں بلکہ کس قسم کی فیڈریشن کے خلاف ہیں؟ میں اس ایوان میں صاف طور سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں آل انڈیا فیڈریشن کے لئے کسی تجویز پر جو موجودہ تجویز کی بدل ہو غور کرنے سے انکار نہیں کرتا۔ البتہ یہ بدل برطانوی ہند کے اغراض و مفاد کے حق میں ہونا چاہئے۔ اور اگر میری تشفی ہو جائے کہ اس کا قبول کر لینا اچھا ہے تو مجھے بے حد خوشی ہو گی۔ میں اس حقیقت سے آگاہ ہوں کہ ان ناممکن العمل شرائط

کے پیش نظر جن پر والیان ہند نے اپنی شمولیت کا انحصار قرار دیا ہے۔ یہ بات ناممکن ہے کہ ہم فیڈریشن کے نام کے شایانِ شان کوئی فیڈریشن مرتب کر سکیں۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ اس تجویز پر بحث کئے جانا بے فائدہ ہے۔ ہم چار سال تو یہ کام کرتے رہے ہیں۔ ایک طرف تو والیان ہند نے اپنی آخری شرط، لازمی شرط (الٹی میٹم) بطور فیصلہ حتمی بتا دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "اگر یہ نہیں تو کچھ نہیں"۔ پھر دوسری طرف برطانوی حکومت نے اپنے تحفظات کے متعلق فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ جسے ایک دیوارِ فولاد کہیئے۔ ہمارے لئے اس کا قبول کرنا ضروری ہے۔ میں ان دونوں کے درمیان ہوں۔ آپ اسے قبول کرنا چاہتے ہیں اور اسے فیڈریشن پکارتے ہیں۔ اس تجویز کو اس نظر سے دیکھنا تو طریق انصاف نہیں اس لئے میں مجبور ہوں کہ تجویز کو ناقابل قبول ٹھہراؤں۔ رہے آنریبل ہوم ممبر صاحب، انھوں نے اپنی نیک نیتی کے متعلق جو کچھ کہا مجھے اس کے ایک ایک لفظ پر یقین ہے۔ میں اُن کی اپیل کی قدر کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ کس جذبۂ صداقت سے انھوں نے اپیل کی۔ میں ان سب امور کے لئے ان کا شکر گزار ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کی سچائی پر یقین بھی رکھتے ہیں۔ انھوں نے کہا ہے کہ "اس تجویز کو قبول کرو اور اسے عمل میں لاؤ"۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ "جب نُور نہ تھا تو حضرت موسیٰ پر کیا گزُری؟ وہ ظلمات میں ہی رہے"۔ اس پر میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہاں نور ہے؟ کیا آپ اس حالت کو روشنی کہیں گے؟ نہیں جناب! حضرت موسیٰ ابھی اندھیرے میں ہی ہیں۔

آنریبل مسٹر کریک۔ میرا مطلب یہ تھا کہ ہم (اراکین حکومت) نے نہیں بلکہ کانگرس پارٹی نے بتی بجھا دی۔

مسٹر جناح - جب یہ کہنے سے ہوم ممبر کا، حکومت کا مطلب نکلتا ہو کہ کانگرس سارے ہند کی نمائندہ ہے تو وہ یہی کہتے ہیں لیکن جب مقصد اس کے خلاف ہو تو وہ کہتے ہیں کہ کانگرس والے محض بلوہ کرنے والے لوگ ہیں اور ملک میں ان کی اقلیت ہے۔ اندریں حالات میرا مقام کیا ہے؟ یہ سب لوگ (مسلمان ممبروں اور باقی سارے ایوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہاں ہیں؟ (ہم سب کیا کہیں اور کیا کریں) یہ دلیل جو آپ دے رہے ہیں بعید از انصاف ہے۔ ہمارے ملک کے چند آدمیوں کے بیانات کو لینا۔ اسے اِس جدید آئین کے جبراً عاید کرنے کی بنا اور دلیل ٹھہرانا پھر ہمیں کہنا کہ تمہیں اسے قبول کرنا چاہئے۔ یہ ٹھیک نہیں۔ کیا میں اس کے جواب میں ایسا ہی طریق نہیں اختیار کر سکتا اور نہیں کہہ سکتا کہ آپ ذرا مسٹر چرچل، لارڈ لائڈ، سر مائیکل اڈوائر اور سر ریجینلڈ کریڈک اور اسی طرح کے دوسرے انگریزوں کے بیانات پر بھی تو غور کیجئے۔ اگر میں انھیں کو زیر نظر رکھ کر جواب دوں تو کیا میرا یہ کہنا جائز نہ ہوگا کہ "میں انگریزوں کو دھکے دے کر ہندوستان سے نکال دونگا۔ کسی قسم کی بحث کی گنجائش ہی نہیں" اب سوال یہ ہے کہ میں نے ایسی بات کہی؟ نہیں، مگر برطانوی حکومت ہے کہ وہ ہم پر ایک ایسا آئین جبراً عاید کرنے کا عزم رکھتی ہے جس کی نسبت وہ بھی جانتی ہے اور میں بھی کہ موجودہ مروجہ آئین سے بدتر ہے۔ ہماری رضا کے خلاف کیوں یہ آئین ہم پر ٹھونسا جا رہا ہے؟ یہ ٹھیک نہیں کہ محض ایک پارٹی کے قول و فعل کو بنیاد بنایا جائے۔ اور ہندوستان کے ساتھ ناانصافی کا سلوک کیا جائے۔ یہ محض ایک بہانہ ہے۔ میں نے اس مسئلہ کا مطالعہ کامل ذمہ داری اور انتہائی احتیاط کے ساتھ کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ آئین قطعی طور پر قربان کرتا ہے اُس سیاسی نشو و نما کو اور اُس

تمام جد و جہد کو جو گزشتہ پچاس سال میں ایک ذمہ دار اور نمائندگی کے اصول پر قائم کی ہوئی حکومت حاصل کرنے کے لئے برطانوی ہند نے کی۔ کسی صوبہ سے بطور صوبہ مشورہ نہیں لیا گیا۔ نہ رضامندی حاصل کی گئی۔ نہ یہ پوچھا گیا کہ آپ جو کہ مرکزی اجتماع (فیڈریشن) میں شامل ہونے والی اکائیاں ہیں کیا اس میں شامل ہونا چاہتی ہیں؟ اور ان شرائط پر جن کا فیصلہ حکومت برطانیہ اور والیان ہند نے کیا ہے؟ میرا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ ناقابل عمل ہے۔ یہ آئین کسی کی بھی تسلی و تشفی نہیں کرتا۔ اور یقین کیجئے کسی کے بھی کم سے کم مطالبات نہیں مانتا۔ اگر اس پر عمل کیا گیا تو بلاشبہ تلخی اور بغض و عناد کا باعث ہوگا۔ اور نام نہاد مرکزی فیڈرل مجلس قانون ساز میں تنازعات برپا ہوا کریں گے۔ میں والیان ہند سے پوچھتا ہوں کہ کیا وہ دوسروں کی مصیبت اپنے سر لینے کے لئے تیار ہیں۔ میں ان سے یہ اپیل بھی کرتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ کیا یہ ہے وہ ذمہ داری جو آپ نے مرکزی حکومت کے لئے تجویز کی؟ آپ فیڈریشن میں کس شرط پر شامل ہونے کے لئے تیار ہیں؟ کیا اس شرط پر کہ "بہت اچھا ہم شامل ہوتے ہیں بشرطیکہ مرکزی مجلس آئین ساز کو حقیقی طور پر اور نہایت ہی معقول حد تک ذمہ دار بنایا جائے۔" مگر بتایئے تو کہ مجوزہ آئین میں اس ذمہ داری کا وجود ہے بھی یا نہیں؟ خوب سمجھ لیجئے کہ اس میں تو اٹھانوے فیصدی تحفظات ہیں اور فقط دو فیصدی ذمہ داری۔ جناب والا! میں والیان ہند سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ معاملہ کے اس پہلو پر غور کریں۔

اب تحفظات کو دیکھیے (جو برطانوی حکومت، وزیر ہند اور وائسرائے کے قبضہ میں ہونگے) میں قانون کی مختلف دفعات کو نہیں لیتا۔ میں دو فقروں میں ان کا

خلاصہ پیش کرتا ہوں: "ریزرو بنک۔ سکّہ۔ شرحِ تبادلہ" ان کے متعلق یوں کہئے کہ ہمارے لئے کچھ نہیں (ہماری مرکزی فیڈرل مجلس قانون ساز کا اختیار نابود) ہاں تو "ریلوے بورڈ"؟ کچھ نہیں، کچھ نہیں، یہ پہلے ہی کامل طور پر رہن کر دیا گیا ہے۔ اچھا تو باقی ہمارے لئے کیا رہا؟ ہاں ہاں "فِسکل آٹونومی کنونیشن" تو دی گئی۔ یعنی خالی خود اختیاری، مگر رواجاً نہ کہ قطعاً قانوناً۔ (قہقہہ) مگر اس کے بعد بھی تو بہت کچھ باقی ہے۔ یعنی ڈیفنس (دفاع) معاملات خارجہ۔ مگر یہ محفوظ رکھے گئے ہیں۔ ہم بے دخل۔ اب رہا مالیات کا معاملہ— صاحب! یہ بھی پہلے ہی رہن کیا جا چکا ہے۔ اب آئی ہمارے میزانیہ (بجٹ) اور آمد وخرچ کے مدّات کی باری۔ اس پر نگاہ ڈالیئے کہ یہاں اندک وبسیار، تھوڑا یا بہت، کچھ تو ہمارے قبضہ کے لئے ہوگا۔ ہم یہاں کیا دیکھتے ہیں۔ گورنر جنرل کی خاص ذمہ داری اور اس کے اختیاراتِ دخل اندازی پھر گورنر جنرل کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ قانون سازی میں دخل دے۔ اور ضرورت پڑے تو اپنے غیر معمولی اختیارات عمل میں لائے اور اپنی خاص ذمہ داری سے کاربراری کرے۔

جناب والا! ان تحفظات کے بعد ہمارے لئے کیا باقی رہتا ہے؟ مجلس قانون ساز کیا کیا کریگی؟ آنریبل ہوم ممبر نے مجوزہ فیڈریشن کی تائید کرتے ہوئے موجودہ مروّجہ آئین کو ہمارے لئے باعث توہین وتذلیل بتایا ہے اور ناقابل برداشت قرار دیا ہے۔ میں بھی اُن کی تائید کرتا ہوں اور یہی الفاظ کہتا ہوں لیکن بقول لارڈ زیٹ لنگ وہ مجوزہ جدید آئین جو مجھ کو، ہندوستان کو دیا جا رہا ہے موجودہ آئین سے کہیں بڑھ کر باعث توہین وتذلیل ہے۔ اور ناقابل برداشت!

اب سنئے کہ بقول شخصے حزب مخالف کے لیڈر وہی کام کر رہے ہیں جو مسٹر

چرچل چاہتے ہیں - یعنی جدید آئینی تجاویز کا قلع قمع کرنا - غالباً میری نسبت بھی یہی کہا جائے گا - ہاں ضرور کہا جائے گا کہ یہ شخص آئین جدید کو تباہ کر رہا ہے -

مسٹر کریک - آپ اسی کام میں مشغول ہیں -

مسٹر جناح - میں آنکھیں کھول کر، سوچ سمجھ کر یہ کام کر رہا ہوں -

سر نری پیدا ناتھ سرکار - (سرکاری ممبر قانون) ہر وقت ممکن ہے کہ آپ اپنی بات سے پھر جائیں - مگر مسٹر چرچل نہیں بدلیں گے -

مسٹر جناح - مجھے اس امر سے کوئی غرض نہیں کہ جناب ممبر قانون بدل جائینگے یا میں پھر جاؤں گا - میرا مقصد اس اہم موقع پر، اس نازک وقت میں اظہار رائے ہے جو میں کامل ذمہ داری اور انتہائی وضاحت کے ساتھ اور پورے غور و فکر کے ساتھ کر رہا ہوں مجھے ممبر قانون کی اس دھمکی سے بھی بحث نہیں کہ ساری تجویز ترک اور خارج کر دی جائے گی - وہ اس کے متعلق لاعلم ہیں - (قہقہہ) خود حکومت ہند آگاہ نہیں - دیدہ و دانستہ بے بنیاد دعویٰ کرنا کہ ہم جانتے ہیں بیکار ہے - میں ان سے کوئی اپیل نہیں کرنا چاہتا - بقول ہوم ممبر آخری فیصلہ پارلیمان برطانیہ کے ہاتھ میں ہے - حکومت ہند اور باشندگان ہند کا اختیار کچھ نہیں - چنانچہ میرا اظہار رائے پارلیمان کی آگاہی اور امداد کے لئے ہے - اگر وہ اس پر عمل نہ کرے گی تو نتائج و عواقب کی ذمہ دار خود ہوگی اس لئے ہوم ممبر کے اس بیان کے جواب میں کہ میں مسٹر چرچل کا مقصد پورا کر رہا ہوں یہ کہونگا کہ اگر آپ میرا مطلب غلط سمجھنا چاہتے ہیں اور میری رائے کی غلط ترجمانی دنیا کے سامنے لانے کے خواہشمند ہیں تو آپ کا اختیار ہے - میں آپ کو نہیں روکتا - مگر اصل بات یہ ہے کہ میں اور میرے ہم خیال لوگ مسٹر چرچل سے متفق نہیں ہیں - مسٹر

چرچل مطلق نہیں چاہتے کہ مرکزی حکومت کی حالت بہتر بنائی جائے۔ مگر ہم مجوزہ آئین کو مرکز کے لئے غیر موزوں قرار دیتے ہیں اور اس لئے اس امر کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اہل ہند کے ساتھ مشورہ کرتے ہوئے اس سارے معاملہ پر نظر ثانی کی جائے اور ہمارے ملک میں ذمہ دار حکومت قائم کی جائے۔ (بلند آواز میں دیر تک نعرہ ہائے تحسین) یہ ہے اصلی فرق اس لئے ہمارا مطلب دیدہ و دانستہ غلط بیان کرنا لاحاصل ہے۔

جناب والا! مجوزہ مرکزی آئین عہد شکنی کے برابر ہے۔ اور اس سنجیدہ اور پُرخلوص اعلان کی نفی کرتا ہے جو وائسرائے لارڈ ارون نے کیا۔ جن کا نام آج لارڈ ہیلی فیکس ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بقول مسٹر شاستری انھوں نے نام کی تبدیلی کے ساتھ اپنی رائے بھی بدل دی ہے۔ (قہقہہ) اعلان مذکور ان کا ذاتی اعلان نہ تھا اور ملک معظم کی حکومت کی طرف سے ان الفاظ میں کیا گیا تھا کہ "ملک معظم کی حکومت وہ تجاویز پارلیمان میں پیش کریگی جن کو زیادہ سے زیادہ مشترکہ رضامندی حاصل ہو"۔ میں پوچھتا ہوں کہ صدر قدل سے بتایئے کہ کیا ان تجاویز کو اہل ہند کی زیادہ سے زیادہ مشترکہ رضامندی حاصل ہوئی ہے؟ یہ ممکن ہے کہ ان کو پارلیمان برطانیہ کی قدامت پسند پارٹی کی زیادہ سے زیادہ رضامندی حاصل ہوئی ہو۔ مگر اعلان مذکور کے الفاظ یہ تو نہ تھے۔ اس لئے میں کہونگا کہ جس رضامندی سے منشا تھا مطلق حاصل نہ ہوئی۔

اس کے علاوہ مباحثات کی پہلی منزلوں میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ ہندوستان ایک برابر کا حصہ دار بنایا جائے گا۔ مگر حال میں اس لفظ کا استعمال ترک کر دیا گیا۔ جناب والا! کیا یہ ہے برابر کی حصہ داری جو پیش کی جارہی ہے؟ برطانیہ کے ساتھ ہماری "برابر کی حصہ داری" اور "تعاون" کے معنی یہ لئے جارہے ہیں کہ "سنو! ہم تمھیں برابر کا

حصہ دار برابر کہیں گے - مگر تمھیں کرنا وہی ہوگا جس کا ہم حکم دیں - بیشک تعاون اور باہمی خیر خواہی کا رشتہ قائم رہے گا بشرطیکہ تم جو کچھ ہم کہیں یا کریں اس کے سامنے سر تسلیم خم کرو - اسی کا نام تعاون اور خیر خواہی ہے"۔

جناب والا! میں آغاز کار میں ہی جانتا تھا اور اب میرا یقین اس وقت سے بھی بڑھ کر ہے کہ آل انڈیا فیڈریشن کے قیام کی ترکیب اور حیلے سے اصل مقصد یہ ہے کہ برطانیہ کے بنائے ہوئے جدید آئین ہند میں مرکزی حکومت کو ذمہ داری نہ دی جائے ہم غلط راستے پر ڈال دیئے گئے - ہر شخص نے جو کچھ بھی صاحب ہوش ہے فوراً دیکھ لیا ہوگا یا کچھ عرصہ بعد اسے احساس ہوا ہوگا کہ وہ تجویز جو ہمارے سامنے لائی گئی ہے اور جسے تکمیل تک پہنچانے کا وعدہ ہم نے کیا ہے دراصل قابل تشکیل نہیں ہے - اول تو آغاز کار میں جلد ہی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ چیز ناممکنات میں سے ہے - مگر اب تو مجوزہ امور سے ایک بدبخت خبیثانہ چکر بن گیا ہے - یعنی صوبائی خود مختاری، فیڈرل نظام اور مرکز میں ذمہ داری، یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے پر منحصر کر دی گئی ہیں - اور مرکزی ذمہ داری سے یہ کیفیت پیدا کر دی ہے کہ "اگر آپ ان تجاویز کو مع فیڈرل نظام کے قبول نہیں کرتے تو صوبائی خود مختاری سے ہاتھ اٹھا لیجئے - اور جب یہ نہیں تو مرکزی ذمہ داری کیسی؟ چنانچہ سارا معاملہ یہیں ختم کر دیا جائے گا"۔

میں اس ایوان کو کہتا ہوں کہ میری تیسری ترمیم کا مدعا بالکل ظاہر ہے اور محدود میں تجاویز کو رد کرتا ہوں اور ملک معظم کی حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اہل ہند سے مشورہ کیا جائے - اور سارے معاملہ پر نظر ثانی کی جائے - میرے دوست مسٹر موڈی نے کہا ہے کہ، جس تغیر و تبدل کے ہم خواہشمند ہیں اسے ابھی یہاں کیوں نہ پیش کیا جائے؟

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں اور بلاشبہ یہ ایوان میری تائید کرے گا کیونکہ یہ حقیقت ضبط تحریر میں آچکی ہے کہ جب پہلی گول میز کانفرنس میں ہم نے بعض مشورے دیئے اور تجویزیں پیش کیں تو یہ سینکی رپورٹ پر منتج ہوئیں مگر ہم نے اہم ترین سفارشات اور تجاویز میں سے اکثر و بیشتر کو مسترد کر دیا۔ اس کے بعد دوسری گول میز کانفرنس میں ہم نے ایک بار پھر مشورے اور تجویزیں پیش کیں۔ مگر یہ کانفرنس نتائج کے اعتبار سے پہلی سے بدتر ثابت ہوئی۔ مزید براں یہ اہم ترین بات کہی گئی کہ ہندوستانیوں کی تجاویز اور مشورے اُن کے لئے تو مفید ہوں گے مگر ہمارے لئے غیر مفید چنانچہ ہماری تجاویز کو بے اثر کرنے کے لئے خاص تحفظات ایجاد کئے گئے۔ اب تیسری گول میز کانفرنس کی سنئے۔ یہ پہلی دونوں سے بدتر نکلی۔ اس کے بعد پارلیمانی مجلس مشترکہ کی باری آئی۔ میں اُن ہندوستانیوں کی نسبت جو اس میں شریک ہوئے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ وہ محبان وطن نہ تھے۔ یہ لوگ جن سے میں کتنا ہی اختلاف رائے کیوں نہ رکھوں میری نظروں میں بہت قابل احترام ہیں۔ انھوں نے اپنی انتہائی کوشش کی اور بقول مسٹر شاستری یہ لوگ میرے دوست مسٹر موڈی کی مثال نہ صرف لاعلاج خوش فکر تھے بلکہ حکومت کے ساتھ تعاون کے مرض مزمنہ کے شکار۔ ان کو مایوسی کے باوجود یہ اُمید تھی کہ ہم اہل برطانیہ اور مدبرین برطانیہ کی منصف مزاجی سے اپیل کر سکیں گے اور کامیاب ہو سکیں گے۔ چنانچہ وہ امید کرتے چلے گئے تاآنکہ ناکام ہوئے۔ اب انھوں نے ایک یادداشت مرتب کی اور اس میں وہ ہندو، مسلمان، پارسی اور دوسرے سب جو اعتدال پسندی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے سب شامل ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ کم سے کم ہماری ان معمولی سی تبدیلیوں کو تو بروئے کار لایا جائے۔

جناب والا! اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ وہ یادداشت کہاں ہے؟ ردی کے ٹوکرے میں۔ پس میری رائے میں ہماری وضعداری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بے یار و مددگار ہونے کے باوجود بڑھتے چلے جائیں۔ ہم یہ تجویز دیکھ چکے ہیں اور ہم اسے منظور نہ کریں گے۔ میں مزید ڈھیل ڈھال، ٹال مٹول نہیں چاہتا اور اپنی قطعی رائے کا اظہار صاف طور پر کرتا ہوں۔ ہمیں دھمکی دی جاتی ہے کہ "کیا آپ ہمیشہ اندھیرے ہی میں رہنا چاہتے ہیں؟ کیا آپ ہمیشہ کسی قسم کے آئین کے بغیر ہی گزارا کرنا پسند کرتے ہیں؟" میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ یہ دھمکیاں مجھے نہ پریشان کر سکتی ہیں نہ اظہار رائے سے باز رکھ سکتی ہیں اور آپ اگر چاہیں تو اس تجویز کو جامۂ عمل پہنانے میں مشغول رہیں۔

جناب والا! مجھے امید ہے کہ اب ایوان اس حقیقت کو تسلیم کرے گا کہ میں طفلانہ ضد نہیں کر رہا اور نہ دوسروں کو مجبور کر رہا ہوں کہ وہ میری رائے سے اتفاق کریں۔ الغرض ان واقعات کے پیش نظر ہمیں لازم ہے کہ اپنی رائے کے اظہار میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہ رکھیں۔ رہے تحفظات، ان کی نسبت آنریبل ممبر قانون نے کہا ہے کہ یہ استعمال میں نہ لائے جائینگے۔ میرے پاس وزیر ہند کی تقریر موجود ہے۔ میں اس میں سے اقتباسات پیش نہیں کرتا۔ مگر انھوں نے کہا ہے کہ تحفظات استعمال میں لائے جائینگے۔ یہی نہیں بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ — "خوب یاد رکھئے ہماری پشت پر تمام ملازمین شاہی ہیں اور انجام کار ساری فوج بھی ہوگی۔ یہ تحفظات برابر استعمال کئے جائیں گے۔" پھر مجھے یہ کہنے سے کیا حاصل کہ ان کا استعمال نہ ہوگا۔

جناب والا! سر جوزف بھور کی اپیل — ان کی ذاتی اپیل بھی قابل غور ہے۔ میں ان کی عزت دل سے کرتا ہوں اور ان کی رائے کا احترام، انھوں نے فرمایا کہ

"اس تجویز سے امکانی فائدہ حاصل کیجئے" مگر جب انھوں نے اپنی تائید میں ابراہیم لنکن جیسے عظیم الشان اور بلند فکر محب وطن کے خیالات پیش کئے تو میں کہہ اٹھا۔ "لیجئے شیطان کتابِ مقدس کے اقوال سنا رہا ہے" میں پوچھتا ہوں کیا اسی قسم کی صورت حال و واقعات سے جو ہمیں در پیش ہیں لنکن بھی دوچار تھا؟

جناب والا! مجھے اپنی تیسری ترمیم کے متعلق بس اتنا ہی کہنا تھا۔ میری دوسری ترمیم صوبائی حکومت خود اختیاری سے متعلق ہے۔ معزز اراکین میرے اس رجحان کو نگاہ پسندیدگی سے دیکھیں گے کہ میں اس پر بحث کرنے کے دوران میں کسی قسم کے زائد اور بے تعلق کوائف سے متاثر نہیں ہونگا۔ ورنہ میں یقیناً حزب مخالف کے لیڈر سے اتفاق کرتا اور کہتا کہ صوبائی خود مختاری بھی منظور کرنے کے قابل نہیں ہے۔ میں راستی پر ہوں یا غلطی پر، مگر بلا تامل کہوں گا کہ میرے نزدیک صوبوں کو تجاویز زیر بحث میں بلا شبہ موجودہ صوبائی اختیارات سے کہیں بڑھ کر اختیارات دیئے گئے ہیں۔ یہ ترقی کیا ہے؟ اول حق رائے دہندگی کی توسیع اور رائے دہندگان کی تعداد میں معقول اضافہ۔ یہ چیز ہر قسم آئین کی بنیاد ہوتی ہے۔ میری رائے میں یہ ترقیٔ اختیارات ہے۔ دوم یہ کہ صوبائی مجالس قانون ساز کے تمام ممبر بذریعہ انتخاب مقرر ہوں گے۔ یہ بھی ترقی ہے۔ سوم صوبوں میں کابینۂ حکومت کے تمام وزیر ان ہی انتخاب کردہ ممبروں میں سے لئے جائیں گے۔ اور کابینہ کو مجلس کے سامنے جواب دہ رکھا گیا ہے۔ پھر خود مجلس بھی رائے دہندگان کے سامنے جواب دہ ہوگی۔ یہ طریق کار بھی عین ترقی ہے۔ مگر چند قابل اعتراض امور بھی موجود ہیں۔ مثلاً بعض صوبوں میں دوسرے ایوان کی تخلیق اور گورنر کے خاص اختیارات۔ میرے خیال میں ایوان کے آنریبل لیڈر

(اس سرکاری سرکردہ ممبر جو مباحثات میں حکومت کی وکالت کرتا اور ہر بات میں پیش پیش رہتا ہے) نے یہ کہنے میں غلطی کی کہ میں نے صرف گورنر کی خاص ذمہ داری سے بحث کی ہے۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ میری ترمیم گورنر کی خاص ذمہ داری پر محدود نہیں ہے۔ بلکہ مزید براں بعض نہایت درجہ قابل اعتراض امور سے متعلق ہے۔ بالخصوص دوسرے ایوان کی تخلیق اور خاص ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے گورنر کے اختیارات۔ میں گورنر کی خاص ذمہ داری سے متعلقہ اختیارات، اور پھر ان اختیارات کے مابین جو اسے اپنے کابینہ وزرا کے فیصلہ کے خلاف عامل ہونے کی اجازت دیتے ہیں کوئی فرق یا تمیز نہیں پیش کرتا۔ میرے نزدیک وہ قواعد بھی قابل اعتراض ہیں جو پولیس اور محکمہ تفتیش خفیہ (سی۔آئی۔ڈی) سے متعلق ہیں۔ یہ ہیں وہ امور جن کی بنا پر مجوزہ مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں کے مابین تمیز روا رکھتا ہوں۔ اور میں ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں صوبائی تجویز کے یہاں تک خلاف ہوں کہ اسے بھی نامنظور کرتا ہوں۔ الغرض میں کہتا ہوں کہ ہماری سفارش کے مطابق تبدیلیاں کی جائیں۔ اور اگر یہ تبدیلیاں کی گئیں تو......"

مسٹر ایس ستیہ مورتی۔ کیا اس کا امکان ہے؟ آپ کو کوئی اتفاقیہ موقع ملنے کی اُمید ہے؟

مسٹر جناح۔ میں اتفاقات پر انحصار نہیں رکھتا۔ میں اس وقت قمار بازی نہیں کر رہا۔

مسٹر ایس ستیہ مورتی۔ آپ کر رہے ہیں۔

مسٹر جناح۔ نہیں ہرگز نہیں۔ میں صرف اظہار رائے کر رہا ہوں۔ میں

یہاں کوئی ایسا کھیل نہیں کھیل رہا جس میں کسی نفع کا حصول محض اتفاقات کا شرمندۂ احسان ہو۔ ہاں جہاں تک میری قوتِ فیصلہ سے ممکن ہے میں اپنی رائے کا اظہار دیانت کے ساتھ اور بلا رو و رعایت کر رہا ہوں اور حقائق و معارف کے عین مطابق اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ تبدیلیاں کیجئے میرا خیال ہے کہ حزبِ مخالف کے آنریبل لیڈر کی رائے میں میری ترمیم کا مدعا بھی نامنظوری ہے۔

مسٹر ایس ستیہ مورتی۔ (بیٹھے بیٹھے) ایوان کے لیڈر بھی یہی کہتے ہیں۔

مسٹر جناح۔ کیا آپ کو کچھ کہنا ہے؟

(مسٹر جناح بیٹھ جاتے ہیں مگر مسٹر ستیہ مورتی کوئی جواب نہیں دیتے۔ پھر مسٹر جناح تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں)

جب حزبِ مخالف کے لیڈر نے یہ کہا کہ میری تیسری ترمیم بھی قطعی نامنظوری کی رائے دیتی ہے تو ان کا نقطۂ نگاہ محض قانونی تھا۔ ان کا خیال ایک حد تک تو ضرور درست ہے، کانگرس حد تک ہنٹنے اور مختارانِ برطانیہ کو مخاطب کر کے کہتی ہیں کہ آپ نے ایک پیشکش کی ہے مگر جہاں تک مجھے دخل ہے میں اس پر نگاہ بھی نہیں ڈالنا چاہتا۔ یہ اس قدر بُری ہے اور مجھے اس سے اتنی نفرت ہے کہ میں اس پر یا اس کے حصے پر غور کرنے کیلئے تیار نہیں۔

مسٹر ڈیسائی۔ (لیڈر حزبِ مخالف) میں نے اس پر نگاہ تو ڈالی مگر قابلِ نفرت پایا۔

مسٹر جناح۔ ہاں تو وہ کہتے ہیں کہ وہ اس پر غور کرنا ناپسند کرتے ہیں اور انھوں نے اس سے چھٹی پائی۔ مگر جنابِ والا! میں اس کے مقابلہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں نے اس کا امتحان کیا ہے اور جہاں تک صوبوں کو دخل ہے یہ بُری ہے مگر مرکزی تجویز قطعی طور پر اور بنیادی لحاظ سے ہی بُری ہے پھر بھی میں معاملہ کو یہیں ختم نہیں کرتا بلکہ تجویز کا بدل اپنی تجویز پیش کرتا ہوں کیونکہ یہ میرا فرض ہے نیز یہ کہ میں قطعی نامنظوری نامناسب سمجھتا ہوں اب آپ مجھ سے پوچھیں گے کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ میرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ہمیشہ کیلئے ظلمات میں نہیں رہنا چاہتے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ "یہ ہے آپ کی تجویز کا بدل میری طرف سے" قصہ مختصر یہ کہ صوبائی تجویز میں تغیر و تبدل کیجئے مرکزی تجویز کو قطعاً ترک کر ڈالئے اور اہلِ ہند کی رائے و مشورہ کے ساتھ ساری صورتِ حالات پر نظرِ ثانی فرمایئے اور اس میں آپ کا منشا یہ ہو کہ برطانوی ہند میں کامل ذمہ دارانہ حکومت کا قیام وجود میں آئے جنابِ والا! میں خاتمہ کلام کرتا ہوں۔

(نعرۂ تحسین)

قائداعظم

کی وہ تقریر جو آپ نے مسلم یونیورسٹی یونین کے اجلاس منعقدہ ۵ر فروری سنہ ۱۹۳۸ء
میں ارشاد فرمائی،

"آج ہر ضلع، ہر شہر اور ہر گاؤں میں ایک ایک بنیادی اور اولیں لیگ قائم ہو گئی ہے۔ ان کے اراکین مسلمانوں کی منتشر جسمانی اور دماغی قوتوں کو جمع کر رہے ہیں جب ان گراں بہا جواہرات کو ایک فن کار جوہری ملے گا تو ایک ایسا زیور تیار کرلے گا جو ہمارے لئے قابل فخر ہو گا ۔۔۔" قائد اعظم کے ان امید افزا الفاظ کو تقریر ہٰذا کا خلاصہ کہنا چاہئے۔ مسلم یونیورسٹی کی یونین (انجمن) نے سٹریچی ہال میں ایک خاص جلسہ قائد اعظم کے ارشادات سننے کے لئے ۵ رفروری ۱۹۳۸ء کے روز منعقد کیا تھا۔ یہ ولولہ انگیز تقریر اسی بزم شبان کی یادگار ہے۔ سربرآوردہ حاضرین میں نواب زادہ لیاقت علی خاں سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ اور سر ضیاء الدین احمد وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ جب قائد اعظم تقریر کرنے کیلئے اُٹھے تو یونین کے مختاران کار نے نعرہ ہائے تحسین کے درمیان ان کو ہار پہنائے۔ مسٹر جناح نے پہلے تو انجمن کا شکریہ ادا کیا کہ ان کا شاندار استقبال کیا گیا تھا۔ پھر یوں گویا ہوئے:-

صاحب صدر! آپ نے اپنی تقریر میں مجھ پر مدح وثنا کی بارش کی ہے - میرا شکریہ قبول فرمائیے - مگر جس چیز نے مجھے اُبھارا اور میرا دل بڑھایا ہے وہ پیغام اُمید ہے جو آپ نے اپنے نوجوان اراکین کی طرف سے مجھے دیا - پھر وہ روح شباب ہے جو آپ نے میری جان وروان میں پھونکی - اگر آپ لوگ اپنے اظہار کردہ ارادوں اور فیصلوں کی آدھی مقدار کے برابر بھی قربانی اور ایثار کرنے کے لئے تیار ہو گئے تو اسلامیان ہند میں وہ زور وقوت اور وہ اختیار پیدا ہو جائے گا جس کی ضرورت ہے - اور یہی وہ طریق ہے جس سے آپ اولاً مسلمانوں کی اور ثانیاً اس ملک کی خدمت کریں - پھر یقین ہے کہ ہماری قوم کا مستقبل ہماری خواہشوں کے عین مطابق ثابت ہوگا - ہمیں چاہیئے کہ پہلے اپنی خبر گیری کرنا سیکھیں پھر ہم دوسروں کی خبر گیری کے قابل ہو جائیں گے - میں آپ کی خدمت میں بعض امورِ واقعی پیش کرتا ہوں -

جنابِ صدر! آپ نے فرمایا ہے کہ مسلمان آزاد پیدا ہوا ہے - میں پوچھتا ہوں وہ کب آزاد تھا؟ کم سے کم اس ملک میں تو ہم ڈیڑھ سو برس سے غلام چلے آتے ہیں - مگر یہ کہنے سے مجھے آپ کی دلشکنی منظور نہیں - میں یہ دیکھ کر خوش ہوں کہ مسلمان نوجوان اس امر کے لئے تیار ہیں کہ ہم پیرانہ سر لوگوں کی دانائی سے بھی کام لیں - نیز یہ کہ محض فرضی باتوں اور دلکش مقولوں کو ترک کر کے ان کی جگہ عملی ذمہ داری کے احساس کو دیں -

جنابِ صدر! میں آپ کو معاہدۂ لکھنؤ یاد دلاتا ہوں - میں نے اس کی تشکیل کے کام میں ذاتی طور پر بہت حصہ لیا تھا - اس کی بنیاد ایک مختصر سے حق حکومت خود اختیاری پر رکھی گئی تھی - جس کی توسیع اور تقویت کے لئے کوشش کرنا سب

پرواجب تھا۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں نے بھی کم سے کم سنہ ۱۹۲۴ء سے لے کر آج تک تو کسی دوسرے فریق سے کم کوشش نہیں کی۔ حکومت خود اختیاری کی خواہش ان کے دلوں میں بھی اتنی ہی جاگزیں رہی ہے جتنی دوسروں کے دلوں میں۔ اس معاملہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین کوئی فرق نہ تھا۔ بلکہ کانگرس اور لیگ دونوں کی حکمت عملی کا بنیادی اصول یہ تھا کہ آئین ہند میں چاہے وہ کسی کا مرتب کردہ کیوں نہ ہو اقلیتوں کے حقوق اور اغراض و مفاد کی حفاظت کا بندوبست ہونا لازم ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۴ء سے لے کر گول میز کانفرنس تک ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی سمجھوتہ کے لئے بہت سی کوششیں بروئے کار آئیں۔ میں اس زمانے میں کسی قسم کے گھمنڈ یا غرور سے بالکل نا آشنا تھا اور کانگرس کے آگے ہاتھ پھیلاتا تھا۔ میں نے ان ایام میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین صلح، صفائی اور اتحاد کے لئے اس قدر سخت اور متواتر کوشش کی کہ بقول اخبارے "مسٹر جناح تھکنے کا نام ہی نہیں لیتے"۔ مگر گول میز کانفرنس کے جلسوں سے مجھے انتہا درجہ کا سخت صدمہ ہوا۔ ملک کی آئینی ترقی خطرے میں تھی مگر اس کے باوجود ہندوؤں کے دل و دماغ، خیالات اور رجحان سے مجھے اس نتیجہ پر پہنچنا پڑا کہ اتحاد کی اُمید بیکار ہے چنانچہ میں اپنے ملک کے متعلق مایوس ہوگیا۔ صورت حال بہت خراب تھی۔ مسلمان اُس ارض ویران کی مثال تھے جس کا والی وارث کوئی نہ ہو۔ ان کے رہبر یا تو برطانوی حکومت کے چاپلوس ملازم اور اردلی، یا کانگرسی لشکر کے خدمت گزار۔ جب مسلمانوں کی تنظیم کے لئے کوشش کی جاتی تو ایک طرف حکومت برطانیہ کے چرب زبان خوشامدی حاشیہ نشین اور دوسری طرف کانگرسی غدار اسے برباد کر دیتے تھے۔ چنانچہ مجھے محسوس ہونے لگا کہ میں نہ تو ہندوستان کی مدد کر سکتا ہوں، نہ ہندوؤں کا دل بدل سکتا ہوں۔ نیز یہ کہ

مسلمانوں کو ان کی نازک اور غیر محفوظ حالت کا احساس کرانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ میں اس قدر مایوس اور غمگین ہوا کہ میں نے لنڈن میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ مجھے ہندوستان سے الفت نہ تھی۔ ترکِ وطن کی وجہ یہ تھی کہ میں قطعاً بے بس اور مایوس ہو گیا تھا۔ بایں ہمہ میں کوائف ہند سے باخبر رہتا تھا۔ چار سال کے بعد میں نے دیکھا کہ اسلامیان ہند سخت ترین خطرے میں ہیں۔ پس میں واپس آگیا۔ کیونکہ لنڈن میں رہ کر میری ہستی کارآمد نہ ہو سکتی تھی۔ مگر یہاں میری حالت اس گداگر کی طرح تھی جو نہ طاقت رکھتا ہو نہ اختیار۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ سے وہی سلوک روا رکھا گیا جس کا مستحق گداگر ہوتا ہے۔

اس کے بعد میں نے صدر کانگرس کے ساتھ ۱۹۳۵ء میں صلاح کار کے لئے قول و قرار کا آغاز کر دیا۔ چنانچہ باہمی گفت و شنید سے ایک طریق کار پیدا کیا گیا۔ مگر ہندوؤں نے اسے ٹھکرا دیا۔ میں نے ۱۹۳۶ء میں کانگرس سے کہا کہ "جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اس پر خاک ڈالو۔ مگر فرقہ دارانہ فیصلہ کے متعلق جو تلخ جھگڑا ہو رہا ہے اسے بند کرو۔ یہ فیصلہ اچھا ہے یا برا یا بے معنی سا مگر اسے قائم رکھو کیونکہ ہم باہمی رضامندی سے اس کا کوئی بدل مرتب نہیں کر سکے۔ آؤ ہم مل کر اس اہم ترین کام کی طرف توجہ دیں"۔ مگر کسی نے میری بات نہ سنی۔ اور جب میں تخلیق اتحاد کے لئے ہر ممکن وسیلے سے کام لے چکا اور ناکام ہو چکا تو اب یہ معلوم کرنے لگا کہ اصل صورت حالات کا تقاضا کیا ہے؟ میں نے دیکھا کہ ادھر تو آئین جدید کی آمد آمد ہے اور ادھر ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۶ء تک ہم کچھ نہیں کر سکے اس پر مجھے نومیدی و یاس نے بیباک کر دیا اور میں نے اپریل ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس منعقد کیا۔ یہاں ہم نے فیصلہ کیا کہ مہم انتخابات میں ایک فریق متخاصم

بننا چاہئے - ہر طرف سے ہماری مخالفت ہونے لگی - کانگرس نے مخالفت کی - انتہا یہ کہ بہت سے مسلمان بھی ہماری مخالفت سے باز نہ آئے - ہماری بنیادی اور اوّلیں (پرائمری) منظّم جماعتیں موجود نہ تھیں - لیگ کے وسائل ناکافی تھے - مگر ہم نے انتخابی لڑائیاں لڑیں - اور ایک معقول حد تک کامیاب ہوئے - اس کے باوجود ہماری اپنی اکثریت کے بعض صوبوں کی مجالس قانون ساز میں مسلم لیگ پارٹی نہ تھی - بہرحال ہم نے اپنے عمل کے طفیل جس کا امتیاز عزم راسخ اور استقلال تھا اور جسے ہم نے اپریل ۱۹۳۶ء سے اختیار کر رکھا تھا بہت کچھ حاصل کر لیا - اسے حیرت انگیز کہیں تو بجا ہے - (نعرہ تحسین)

آیئے! ہم اپنی حالت کا ایک بار پھر اندازہ کریں - پہلے دفتری حکومت کو لیجئے - اس کے مختاران کار کہتے ہیں کہ قدیم رواج کے مطابق مسلمانوں پر ہم ایک حق حاصل کر چکے ہیں - اور اگر جناح نام والا یہ شخص دخل انداز ہوا تو یہ لوگ ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے " خدا کا شکر ہے کہ ایسا ہی ہوا اور مسلمان ان کے قبضہ سے نکل گئے ہیں لیکن اختیارات بھی ایک حد تک فرقہ اکثریت کے ہاتھ میں چلے گئے ہیں - اور یہ صاف ظاہر ہے کہ برطانوی حکومت مسلمانوں کی امداد کے لئے تیار نہیں - بلکہ ان کو بھیڑیوں کے آگے ڈال رہی ہے - بہرحال اس وقت تک جو کچھ ہوا ہے بُرا نہیں - میں خوش ہوں کہ مُسلم لیگ نے مسلمانوں کو ایک بہت ہی بڑی حد تک برطانوی حکومت کے پنجہ سے چھڑا لیا ہے لیکن اب ایک اور طاقت میدان میں آئی ہے - جو برطانوی حکومت کے جانشین ہونے کا دعویٰ کرتی ہے - آپ اسے چاہے جس نام سے پکاریں مگر اصل یہ ہے کہ یہ حکومت ہنود ہے یہ لوگ ہندو ہیں اور ہندو راج طلب کرتے ہیں -

سیاسیات کی زبان کا امتیاز ہے - نرم گفتاری مگر غلط گوئی - اس لئے میں سیدھی

سادی بولی میں بات چیت کرتا ہوں۔ کانگرس کے رجحان کا خلاصہ یہ ہے۔ "مسلم لیگ خوشامدیوں پر مشتمل ہے۔ یہ ایک رجعت پسند انجمن ہے اور انگریزوں کی شہنشاہی مملکت کی ممد و معاون ہے۔" ان الفاظ میں لیگ قابل ملامت قرار دی جاتی ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ لیگ نے کیا کیا؟ صرف یہ کہ موجودہ حالات کے پیش نظر صوبائی آئین سے اس کی حیثیت اور قدرت کے مطابق مستفید ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس کے برعکس کانگرس کا فیصلہ یہ تھا کہ جدید آئین پارا پارا کر دیا جائے۔ کانگرس نے لیگ کو صبر آزما قرار دیا۔ حالانکہ لیگ نے پورے زور شور سے قومی پروگرام اختیار کیا تھا۔ ہم کوشش کرتے تھے کہ مسلم لیگ کو کامل طور پر مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بنائیں۔ کانگرس نے اپنے اخبارات میں میرے مدعا کو دیدہ و دانستہ غلط طور پر پیش کیا۔ اور مجھے بدنام کیا۔ کانگرسی کہتے تھے کہ جناح سچا ہو تو ہو مگر اس کے رفقائے کار حکومت کے خوشامدی اور تابع فرمان ملازم ہیں جو اسے نگل جائیں گے۔ مزید براں جب کبھی مطلب کا موقع آتا مسلمانوں کو نظر انداز کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی بظاہر درست بہانہ بنا لیا جاتا۔ کانگرس نے ہمارے نوجوانوں کے دل و دماغ کو زہریلا کر دیا۔ وہ فریب خوردہ یہ سمجھنے لگے کہ کانگرس ہی کامل آزادی کی علمبردار ہے۔ اور افلاس اور فاقہ مستی کی بلائیں اسی کے ہاتھوں دور ہونگی۔ مگر کانگرس کا اصل مدعا کیا تھا؟ یہی کہ برطانوی حکومت سے بعض عہد و پیمان حاصل کرے جس میں وہ ناکام ہوئی۔ بایں ہمہ وہ اسی آئین کو عمل میں لا رہی ہے۔ اور اس سے فائدہ اٹھا رہی ہے جسے تباہ کرنے کا دعویٰ اس نے انتہائی جوش و خروش کے ساتھ کیا تھا۔ کانگرس نے مسلمانوں کے ساتھ بھی طرح طرح کے احمقانہ قول و قرار کئے تھے۔ ایک صوبے کے کانگرسی وزیر اعظم نے یہاں تک کہہ ڈالا تھا کہ اگر کسی مسجد کی ایک اینٹ

کو بھی کسی نے چھیڑا تو اپنی جان لڑا دوں گا۔ یہ جذبہ بیحد شریفانہ تھا۔ مگر اسی مدعی کے صوبے یعنی بہار میں حقیقت حال کیسی رہی؟ مروّجہ اور مقررہ طریق انتخاب منسوخ کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچھلے انتخاب میں ایک مسلمان بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ اس لئے ہم محض قول و قرار اور خیر خواہی کے اظہار پر انحصار نہیں کر سکتے۔ سیاسیات کی دنیا کا دستور ہے کہ اگر آپ طاقتور ہیں تو آپ کے لئے محبت، دوستی اور پاس خاطر سبھی کچھ ہو گا۔ ورنہ نہیں۔ لوگ جانتے ہیں کہ آپ کی کمزوریوں سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ یا یوں بھی کہیئے کہ آپ کی قوتوں سے کیونکر کام لیا جا سکتا ہے؟

جب کوئی شخص آپ کو کہے کہ "دیکھئے! ہندوستان میں افلاس کس قدر شدید ہے اور فاقہ مستی کیسی ہیبت ناک۔ آیئے پہلے اس دلخراش اور زہرہ شگاف حالت کو دور کریں۔ جب یہ نہ ہوا تو اور چیزوں سے کیا حاصل؟ کانگرس کی جدوجہد کا منشا، یہ ہے کہ کامل آزادی حاصل کی جائے۔ اور ایک اشتمالی (کمیونسٹ) اور اشتراکی حکومت قائم کی جائے۔ محض اقتصادی مسئلہ ہی وہ مسئلہ ہے جس سے ہم دوچار ہیں"۔ ایسی باتیں سن کر آپ کی رگ ہمدردی یقیناً حرکت میں آئیگی۔ بعض اوقات خود میرا دل ہل گیا۔ الغرض کانگرس والوں نے ان باتوں کا ڈھول ہمارے کانوں میں خوب پیٹا۔

اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ بیک جنبش قلم برطانوی حکومت اور ہندوستان کے زمینداروں اور سرمایہ داروں کا قلع قمع کر سکیں گے تو گو الف یو رپ پڑ نگاہ ڈالئے۔ جرمنی میں ہٹلریت کے نظام کا قیام یا آمریت کا عمل و دخل کا باعث اشتراکی اور اشتمالی تحریکات ہوئیں۔ یہی کیفیت اٹلی کے اندر فاشسٹیت کی سمجھئے۔ ہسپانیہ میں خانہ جنگی کا سبب کیا چیز ہے؟ یہی امر فیصلہ طلب، یہی مسئلہ اہم، جبکہ کانگرس

کے پریذیڈنٹ سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ اپنا حیرت انگیز پروگرام کب پورا کرکے دکھلائیں گے تو انھوں نے جواب دیا کہ "اپنی زندگی کے اندر اندر" پھر اس میں اضافہ فرمایا کہ "جب ہم اختیارات پر قابض ہو جائینگے تو جس طرح سے بھی ہو سکے گا ہم آئین کو تباہ کرکے رہینگے"۔ مگر میرا سوال یہ ہے کہ یہ جو نام نہاد اختیارات آپ کو اس وقت حاصل ہیں صرف ان کو ہی آپ کب تک سنبھال سکیں گے؟

ہم ہندوستانیوں کو مدت سے یہ سبق پڑھایا جا رہا ہے کہ برطانوی پارلیمانی جمہوریت بہترین طرز حکومت ہے۔ چنانچہ ہم پر عائد شدہ آئین بیش وکم برطانوی نمونے پر مرتب کیا گیا ہے۔ مگر سیاسی لحاظ سے اہل برطانیہ اور باشندگان ہندوستان میں ایک خاص فرق عظیم ہے۔ برطانیہ میں اکثریت اور اقلیت کی پارٹیاں ہمیشہ بدل سکتی ہیں بلکہ ان کی شکل وصورت اور طاقت میں تغیر و تبدل اکثر دیکھا گیا ہے آئے دن ایک پارٹی کے تھوڑے یا بہت اراکین کسی دوسری پارٹی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور اس وجہ سے اگر آج قدامت پسندوں کی حکومت نظر آتی ہے تو اگلے دن لبرل مدبرین کی اور تیسرے روز حزب العمال یعنی مزدوروں کی۔ مگر ہندوستان پر یہ بات صادق نہیں آسکتی۔ یہاں ہندوؤں کی مستقل اکثریت موجود ہے اور باقی لوگ چند اقلیتوں میں منقسم ہیں۔ یہ لوگ قیامت تک اکثریت کی حیثیت حاصل نہیں کر سکتے۔ اکثریت اگر چاہے تو یہ مروّت کر سکتی ہے کہ اپنے آپ پر "غیر فرقہ داری" کا سرنامہ (لیبل) چسپاں کرے۔ مگر حقیقت میں اس کی روح اور اس کا عمل دونوں ہندوانہ ہی پائے جاتے ہیں۔ اقلیتوں کو اُمید فلاح ہو سکتی ہے تو صرف اس طرح کہ اپنی تنظیم کریں۔ اور اپنے حقوق و مفاد کی حفاظت کے لئے اختیارات

کا ایک مقررہ حصہ قبضے میں لائیں۔ ہندوستان کے اندر کوئی آئین اس قسم کے اختیار کے بغیر کامیابی کے ساتھ عمل پذیر نہیں ہو سکتا۔

میری اپیل آپ سے یہ ہے۔ لیگ کے پلیٹ فارم پر آیئے۔ اگر مسلمان آپس میں متحد و متفق ہوں گے تو آپ کی اُمید اور اندازے سے کہیں پہلے سمجھوتہ ہو جائے گا اتفاق باہمی سے آپ اپنا مطالبہ آزادی سب سے تسلیم کرا سکیں گے۔ آپ کے صرف چند مہینوں کے کام اور محنت سے لیگ کا نام ارض ہند کے اطراف و اکناف میں گونجنے لگا ہے۔ سب اس سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ لاکھوں مسلمان لیگ میں شامل ہو رہے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو ہمارے خلاف ہیں جلد ہی محسوس کرنے لگیں گے کہ ان کو دھوکا ہو رہا ہے اور ان کے لئے کوئی چارہ کار نہیں ماسوا اس کے کہ لیگ میں شامل ہوں اور اس طرح سب کے سب مسلمانوں کی آواز ایک اور صرف ایک ہو۔ (نعرۂ تحسین)

لیگ نے مسلمانوں کو ان کے رجعت پسند عناصر سے رہائی دلوائی ہے اور ایسی رائے کی تخلیق کر دی ہے کہ وہ لوگ جو خود غرضی سے اپنے ذاتی اغراض کے پیچھے پڑے ہوئے تھے قومی غدار ہیں۔ لیگ نے آپ کو مولویوں اور ملاؤں کے ناکارہ عنصر سے بھی رہا کر دیا ہے۔ میں مولویوں کی جانب من حیث الجماعت اشارہ نہیں کر رہا۔ ان میں بعض مخلص ہیں اور محبان وطن۔ مگر ان کا ایک طبقہ واقعی بُرا ہے۔ میں نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ برطانوی حکومت، کانگریس، رجعت پسند مسلمان اور مولوی ملّا ان چاروں سے رہائی پانے کے بعد اب آپ فرقۂ اناث کو قید و بند سے چھڑائیں۔ یہ قطعاً ضروری ہے۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ ہم اہل مغرب کی نقالی کریں اور بیہودگیاں اور خرابیاں اختیار کریں۔ ہر گز نہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ہماری مستورات ہماری زندگی میں نہ صرف معاشرتی

بلکہ سیاسی لحاظ سے بھی حصہ لیں۔ (نعرۂ تحسین)

لیگ کے مختاران کار اور عہدہ دار ایسے اچھے نہیں جیسے کہ ہونے چاہئیں اور ہو سکتے ہیں۔ میں کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہراتا۔ یہ کہنا کہ فلاں شخص اچھا اور فلاں بُرا ہے کار وقت ہے۔ اگر آپ واقعی گرم جوش ہیں تو لیگ میں شامل ہو جائیے اور اصلاح کیجئے۔

مجھے یقین ہے اور آپ میری تائید کریں گے کہ کانگرس کی حکمت عملی مسلمانوں میں تقسیم و تفریق پیدا کرنا ہے۔ یہ وہی پرانی برطانوی تدبیر و ترکیب ہے۔ کانگرس والے اپنے آقاؤں کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ میری اس بات کو دل میں جگہ دیجئے کہ اگر آپ مسلمانوں کے مابین کامل اتحاد پیدا نہ کریں گے۔ چاہے اس کی قیمت کتنی بھی اور کیسی ہی کیوں نہ دینی پڑے تو مسلمان تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ ہمیں اپنا بگڑا ہوا گھر بنانا چاہئیے۔ اگر آپ کارکنان لیگ کی مدد کریں گے تو ہم یہ بگڑی بات خاطر خواہ طور پر بنا سکیں گے۔

جناب صدر! آپ نے آج مجھے ایک عظیم الشان پیغام امید دیا ہے۔ ہاں قدم بڑھائیے! قدم، پھر دنیا میں کوئی طاقت آپ کی راہ میں حائل نہ ہو سکے گی۔ میں اپنے سامنے سپاہیوں کی بھرتی کے لئے بہترین علاقہ دیکھتا ہوں۔ لاکھوں مسلمان آل انڈیا مسلم لیگ کے لائحہ عمل کو کامیاب بنانے اور اس کے احترام اور وقار کا پھریرا اڑانے کی خاطر کوشش موفور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ایک کاردان اور کارکن سپاہی تیار کرنے کے لئے کم سے کم ایک سال درکار ہے۔ اور ایک افسر کے لئے پانچ برس کی حاجت ہو گی۔ زیر نظر مسلمان بہت بڑی قوت کے سرمایہ دار ہیں مگر یہ قوت ہنوز خوابیدہ ہے۔ ان لوگوں کو کام کی طرف راغب کرنا چنداں مشکل نہیں۔ مگر ان کی طاقتوں کو یکجا کر کے میدان عمل میں لانا اور ان کا ایک لشکر بنانا محنت طلب ہے۔ مگر آپ یہ کام کر سکتے ہیں۔ ذرا غور تو کیجئے

کہ انجام کار مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین ایسا کیا فرق ہے کہ ہم کام کی داد نہ دے سکیں اگر واردھا کل ہی ایک فیصلہ کر کے احکام صادر کرے تو فی الفور لاکھوں ہندو اس پر عمل کرنے لگتے ہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر مسلم لیگ کوئی فرمان جاری کرے تو نتیجہ کیا ہوگا؟ چونکہ مسلمان کافی حد تک نہ ساز و سامان سے آراستہ ہیں نہ تربیت یافتہ۔ بدیں وجہ تعمیل حکم کے لئے لاکھوں مسلمان پیدا کرنا مشکل ہوگا۔ برطانوی حکومت ہمیشہ اس امر پر غور و فکر کرتی رہتی ہے کہ کانگرس کیا کر رہی ہے اور ہماری حکمت عملی کا اثر اس پر کیا ہوگا۔ مگر کیا برطانوی حکومت آپ کے افکار و اعمال کی پروا کرتی ہے؟ ہرگز نہیں! اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ایک منظم طاقت نہیں ہیں۔ پس لازم ہے کہ آپ اپنی طاقت کو نشو و نما دیں اور اپنی یکجہتی قائم کریں۔

مسلم لیگ کا عزم راسخ ہے کہ آزادی جیت لے۔ مگر یہ آزادی صرف ارباب قوت اور صاحبان فوقیت کے لئے نہ ہوگی، ان مسلمانوں کے لئے بھی جو آج کمزور و مجبور ہیں۔

(دیر تک نعرہ ہائے تحسین)

قائداعظم

کی وہ تقریر جو آپ نے مسودّہ ترمیم قانون فوجداری پر مرکزی
لیجسلیٹو اسمبلی میں ۲۳ راگست ۱۹۳۸ء کو ارشاد فرمائی

جناب والا! آج کی بحث میں اس قدر گرماگرمی روا رکھی گئی ہے اور جوش و ولولہ دکھایا گیا ہے کہ اس برق وش فضا میں ٹھنڈے دل سے دلائل پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ مگر میں اپنی پارٹی کی رائے چاہے وہ قابل قدر ہو یا بے وزن اس ایوان کی خدمت میں پیش کرنے پر مجبور ہوں۔ آج کی بحث میں جس نسبت سے جذبات اُکسائے جائیں گے اور گرمی دکھائی جائیگی اسی نسبت سے دلائل و براہین اور عام فہمیدگی کی گنجائش نہ رہے گی۔ اس کے بعد مجھے کچھ نہ کچھ رنج سے کہنا پڑتا ہے کہ حزب مخالف کے لیڈر نے بعض ایسے الفاظ استعمال کیئے جن کا زبان پر نہ لانا ہی بہتر تھا۔ ہاں اگر کوئی معمولی یا پس رو ممبر ایسی باتیں کہتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔

بہرحال میں جناب لیڈر کے دعوئی اور دلائل کو لیتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ اُس شخص کو جو مجوزہ قانون کی تائید کرے نادم اور شرمسار ہونا چاہیئے۔ چونکہ یہ بات حزب مخالف کے لیڈر نے کہی اس لئے بہت ہی قابل رنج ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس قانون کی تائید کرنے والا شخص نہ صرف اپنے ملک کی آزادی فروخت کر دیگا بلکہ اس کے

حق میں غدار ثابت ہوگا۔ انجام کار لیڈر صاحب نے خاتمہ کلام میں کچھ اس طرح دھمکیوں سے کام لیا اور اظہار رنج کیا کہ ان کی شایان شان نہ تھا۔ چنانچہ مسلم لیگ کو خطاب کرکے فرمایا کہ "آج تمھیں توازن قائم رکھنے کی طاقت حاصل ہے [تم چاہو تو اپنی رائے حکومت کے حق میں دے کر اسے فتح دلاؤ] مگر غالباً یہ صورت ہمیشہ نہ رہے گی۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب تمھاری قوت کا نام و نشان تک مٹ جائیگا"۔

جناب والا! اس کے معنی یہ ہوئے کہ جناب لیڈر اس امر کی پیش گوئی کرتے ہیں کہ ہندوؤں کی بے رحم اکثریت ہمیں کچل دیگی۔ پیس ڈالیگی۔ مگر وہ یہ خیال نہ فرمائیں کہ محض اس وجہ سے ہم اپنی دیانتدارانہ رائے کا اظہار حوصلہ مندی کے ساتھ نہ کریں گے۔ جناب والا! کیا اسے کہتے ہیں جمہوریت؟ میں اس رجحان کی مذمت کرتا ہوں اور اسے قابل غم و غصہ قرار دیتا ہوں۔ اس لئے میں جناب لیڈر کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ اپنی رائے پر نظر ثانی کریں کیونکہ بلاشبہ یہ ان کے وقار کے منافی ہے۔ انھوں نے اور ان کی پارٹی کے بعض اراکین نے ہمارے خلاف اشارۃً و کنایتہً بہتان تراشی اور ساتھ ہی صراحتہً دشنام طرازی کو کام فرمایا۔ مگر میں ان جھوٹے الزاموں اور اس گالی گلوچ کے متعلق مزید کچھ نہیں کہونگا۔ میں اراکین ایوان اور ممبران کانگریس کو (جن کے ساتھ ہم خوش قسمتی یا بد قسمتی سے متفق نہیں ہیں) یقین دلاتا ہوں کہ اس وقت ہمیں صرف مفاد ہند مد نظر ہے اور ہماری رائے کی کوئی اور چیز محرک نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم اس معاملہ پر سکون خاطر، دلجمعی اور احتیاط کے ساتھ غور کریں۔

جناب والا! مجوزہ قانون کی بحث میں بہت سے زوائد شامل کئے گئے ہیں۔

یہاں تک کہ پیرو، چین، اور جاوا کا ذکر بھی آ گیا۔ نیز اور انواع و اقسام کے معاملات پر بیکار بحث ہوئی۔ ہمیں جذبات سے بیگانہ ہو کر یہ دیکھنا ہے کہ کیا حالات موجودہ اور اپنی حالت کے پیش نظر یہ قانون ضروری ہے یا نہیں؟ (حکومت کو مخاطب کر کے) کاش ہم اہل ہند کچھ کر سکتے۔ ہم آپ کی حکمت علی بخوبی سمجھتے ہیں۔ بد قسمتی سے میں اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ نہ ان محرکات کو جو اس کی تہ میں ہیں۔ مگر میں آپ کی دیانت داری تسلیم کرتا ہوں۔ آپ بھی مجھے دیانت دار مانیں۔ آپ اس قانون کو اپنے حق میں اچھا سمجھتے ہیں۔ میں اسے اپنے ملک کے حق میں بُرا اقرار دیتا ہوں۔ بہرحال یہ لازم ہے کہ اس پر سکونِ خاطر، دلجمعی اور احتیاط کے ساتھ غور و فکر اور بحث ہو۔

جناب والا! ہمیں پہلے اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ اگر پنجاب کی صوبائی حکومت کو اس قانون کی ضرورت ہے تو اسے اس کے وضع کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق میں نے حزب مخالف کے معزز لیڈر اور سرکاری ممبر قانون دونوں کی تقریریں بڑی احتیاط اور توجہ سے سُنیں۔ اور جہاں تک میں اس وقت سمجھتا ہوں ممبر قانون نے حکومت ہند کی طرف سے درست حالات پیش کئے مگر نمائندہ کانگرس نے غلط اندازہ لگایا۔ اُن کے دلائل بالکل بے معنی ہیں۔ اگر میری رائے ان کی رائے کی نسبت غلط ہے تو وہ اس کی اصلاح کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ حزب مخالف کے لیڈر نے مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں کے متعلقہ اختیارات قانون سازی (بروئے قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء) کی صحیح ترجمانی نہیں کی * اس معاملہ میں قانون ۱۹۳۵ء بالکل واضح ہے۔ حکومت پنجاب

* مترجم کو ڈر ہے کہ غیر قانون داں قارئین تقریر کے اس حصے کو اگر اس کا ترجمہ بلا تشریح

کیا گیا نہ سمجھ سکیں گے۔ قائد اعظم ایک عظیم الشان قانون داں ہیں۔ ان کی تقریر کے سننے والے بھی فہمیدہ لوگ تھے۔ زیر بحث وہ مشکل چیز تھی جسے قانونی باریکیاں کہتے ہیں اس لئے قانون کا صرف متعلقہ حصہ لکھ دیا جاتا ہے اور تقریر کے اس جزو میں مطلب کی بات سیدھے سادے الفاظ میں تحریر کی جاتی ہے۔ قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء نے اختیارات قانون سازی کو تین حصص میں تقسیم کیا ہے اور ان کو فیڈرل لیجسلیٹو لسٹ پراونشل لیجسلیٹو لسٹ اور کن کرینٹ لیجسلیٹو لسٹ کا نام دیا ہے۔ پہلی فہرست میں وہ موضوع ہیں جن کے متعلق فقط اور محض مرکزی حکومت قانون بنا سکتی ہے۔ دوسری فہرست میں وہ موضوع ہیں جو قانون سازی کے لحاظ سے صوبائی حکومتوں کے اختیار میں ہیں۔ تیسری فہرست میں وہ موضوع ہیں جن کے متعلق مرکزی حکومت یا کوئی ایسی صوبائی حکومت جسے اپنے صوبے کے خاص حالات کے سبب اور ان سے نپٹنے کے لئے کسی خاص قانون کی ضرورت ہو تو اس کو وضع کر سکتی ہے۔ گویا بہ یک وقت ہر دو کو اختیار حاصل ہے۔ اس وقت (۲۳ اگست ۱۹۳۸ء) زیر بحث یہ معاملہ تھا کہ جنگ ہونے کا خطرہ ہے۔ ہندوستان میں ایسے اشخاص اور جماعتیں موجود ہیں جو لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے سے روکیں گے اور موجودہ سپاہیوں کو غداری پر آمادہ کریں گے۔ حکومت پنجاب کا بالخصوص یہ خیال تھا کہ پنجاب جس کے باشندے عساکر ہند میں اکثریت رکھتے ہیں۔ اور یہ ایک اکیلا صوبہ باقی تمام ہند کے صوبوں کی مجموعی تعداد سے زیادہ تعداد میں سپاہی بہم پہنچاتا ہے یہاں اس قانون کی خاص ضرورت ہے کیونکہ پنجاب کے

ہو سکتے ہیں قانون زیر بحث کی ضرورت تو بے شک ہے مگر وضع کرنے کا اختیار نہیں۔ یہ ہے میری رائے - اس دنیا میں کوئی چیز قطعی یقینی نہیں۔ اس لئے میں کوئی ایسی بات کہنا نہیں چاہتا جس کا پابند بنا دیا جاؤں اور جو آئندہ بطور نظیر میرے خلاف پیش کی جائے - بہرحال حکومت پنجاب کو یہ اختیار حاصل نہیں -

جناب والا! حکومت ہند کی طرف سے ان کے ممبر قانون نے یہ بیان کیا ہے کہ جب تمام صوبائی حکومتوں سے رائے طلب کی گئی اور انھیں صورت حالات و واقعات سے آگاہ کیا گیا - تو ان سب نے ان کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد حکومت پنجاب کی تائید کی اور اس قانون کے وضع کرنے کی رائے دی - اس کے متعلق جو خیالات وقتاً فوقتاً میرے ذہن میں آئے اور جس نتیجہ پر میں پہنچا پیش کرتا ہوں -

---

اندر جنگی کوششوں کے منافی اعمال خاص طور پر ضرر رساں ثابت ہونگے قائداعظم نے قانون کی حالت کو نہایت خوبی سے واضح کیا اور بتایا کہ قانون زیر بحث معاملات جنگ و دفاع ہند سے متعلق ہے اس لئے فہرست نمبر۱ میں رکھا گیا صوبائی حکومت کو یہ اختیار حاصل نہیں اس لئے پنجاب کی حکومت اسے مرکزی حکومت سے وضع کرانا چاہتی ہے - اور نمائندہ کانگرس کی یہ رائے درست نہیں کہ صوبائی حکومت کو اختیار حاصل ہے اس لئے اُسے لازم ہے کہ ایسا سخت گیر قانون خود وضع کرے - اس قانون کی رو سے ایک نیا جرم تخلیق کیا گیا اور اس کی سزا مقرر کی گئی - مترجم کے خیال ناقص میں امور مذکورہ سمجھ لینے کے بعد تقریر کا آسانی سے سمجھ لینا دشوار نہ ہوگا - بلکہ دلچسپی بڑھ جائیگی - مترجم

جناب والا! مجھے سب سے پہلے اس سوال پر ذہن لڑانا تھا کہ اس قانون کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔ بلاشبہ یہ ایک نئے جرم کی تخلیق کرتا ہے۔ "اور کتاب قوانین" میں ایک مکمل قانون سے اضافہ کرنا ہے۔ مگر ہم محض اس لئے اسے وضع نہیں کر سکتے۔ کہ حکومت ہند کی خواہش یہی ہے۔ جب معزز ممبر نے جو اس کام پر مامور ہیں اپنا مدعا اور مقدمہ پیش کیا تو مجھے آزادانہ طور پر کھل کر کہنا چاہیئے کہ میرے ذہن نے مجوزہ قانون کو غیر ضروری قرار دیا۔ میں حیران ہو گیا کیونکہ میں دلائل سے باخبر نہ تھا۔ حکومت ہند کو لازم تھا کہ وہ شروع میں ہی اپنے تمام دلائل پیش کر دیتی۔ بہرحال بعد میں میں نے مجوزہ قانون کا مزید امتحان کیا۔ چنانچہ میں نے آنریبل ہوم ممبر کی تقریر اور بعض دوسری موافق اور تائیدی تقریریں انتہائی توجہ سے سنیں۔ امید ہے کہ آپ مجھے معاف کریں گے کیونکہ میں کسی کو نہ ناراض کرنا چاہتا ہوں اور نہ مجھے کسی کا دکھانا منظور ہے۔ مگر انجام کار میرے سب شبہات دور ہو گئے۔ اور میں نے تسلیم کر لیا کہ حکومت نے اس قانون کی ضرورت ثابت کر دی لیکن جو رہا سہا شبہ آنریبل ہوم ممبر کے دلائل کے باوجود باقی رہ گیا تھا کہ فی الحال اور پہلی نظر میں ضرورت ثابت نہیں ہوئی اسے کانگرسی ممبروں کی تقریروں نے کامل طور پر رفع کر دیا۔ ان لوگوں نے جائز یا ناجائز مگر قطعی اور صاف طور پر اس امر کا اعلان کیا۔ کہ ہم فوج میں بھرتی ہونے کے خلاف تقریر کریں گے۔ اور یہ تحریک جاری رکھیں گے۔ یہی نہیں بلکہ ہم فوجیوں اور نئے بھرتی ہونے والوں میں غدر اور حکم عدولی کے کاموں پر برانگیختہ کریں گے۔

مسٹر ایس ستیہ مورتی۔ کسی نے یہ بات نہیں کہی۔

مسٹر جناح - مجھے معلوم ہے کہ حضرات ممبران کانگریس کی تقریریں ایک دوسرے کی تردید اور تنسیخ کرتی رہی ہیں - میرے زیر نظر ایک یا دو تقریریں نہیں معاف کیجئے گا - مگر میں ان سب کے مجموعی نتیجہ پر نگاہ ڈالتا ہوں - ایک ممبر صاحب نے کہا کہ "ہم صلح جوئی کے حق میں ہیں" - امر واقعہ یہ ہے کہ ہر ملک میں ایسے دیوانے اور دغا باز موجود ہیں جو کامل صلح کے طلبگار ہیں - میں ان ممبر صاحب کو معاف کرتا ہوں - ہر شخص کو اپنی ایک رائے رکھنے کا حق حاصل ہے - خود میں بھی کامل صلح اور ساری دنیا میں کامل صلح کا خواہشمند ہوں - جنگ نہیں ہونی چاہئے - ساری دنیا میں امن اور خوشحالی ہونی چاہئے - اگر جنگ قطعی طور پر ممنوع قرار دی جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا - "صلح بہر حال صلح" کے حامی ممبروں سے مجھے کوئی سروکار نہیں - میرے لئے یہ سوال حل طلب نہیں کہ صلح پر یقین رکھنا چاہئے یا نہ رکھنا چاہئے - میرا یقین تو یہ ہے کہ اگر خطرہ ہو تو جس طرح سے مجھے اپنی زندگی بچانا لازم ہے میں کسی شخص کو ضرر پہنچانا نہیں چاہتا - میں ایک نیک کردار آدمی ہونا چاہتا ہوں - مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ دنیا کا ہر شخص نیک ہے اور مجھے ضرر نہ پہنچانا نہیں چاہتا - اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ "بہر حال و بہر طور صلح" اور "عدم صلح" کا سوال نہیں - بلکہ مردمانِ عمل ہونے کے لحاظ سے ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم اپنا بچاؤ کریں یا نہ کریں - میرا جواب یہ ہے کہ میں تو ضرور اپنے آپ کو بچاؤں گا - یہ ہے میری پہلی گذارش - میرے معزز دوست مسٹر ستیہ مورتی نے اس قانون کی منظوری کے لئے چھ شرائط لازم قرار دی ہیں - چھ نکات بیان کئے ہیں -

ایک ممبر - کچھ اپنے اکیس نکات کے متعلق بھی تو ارشاد ہو -

مسٹر جناح ۔ مسٹر ستیہ مورتی نے سارے معاملہ کو چھ نکات پر محدود کر دیا ہے مگر بعض دوسرے آنریبل ممبران حدود سے باہر بھی چلے گئے ۔ انھوں نے چھ سے زائد چیزیں طلب کیں ۔ جن سے میں مناسب وقت پر بحث کروں گا ۔ سب سے پہلا اور اصولی سوال اس قانون کی ضرورت کا ہے ۔ میرا خیال غلط ہو یا درست اور مجھے رنج ہوگا اگر میں آنریبل ممبران کانگرس سے کوئی ایسی بات منسوب کروں جو حقیقت میں انھوں نے پیش نہیں کی ۔ مگر اس کا فیصلہ کرنا ایوان کا کام ہے کہ ان حضرات کا رجحان کیا ہے اور میں اس کے سمجھنے میں راستی پر ہوں یا نہیں ؟

بہر حال ہمیں قانون مجوزہ پر غور کرنا ہے ۔ میرے تجزیئے کے مطابق دو بڑے بڑے امور بحث طلب ہیں اور ایک تیسرا بھی ہے مگر ممکن ہے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے ۔

پہلے یہ کہ وہ شخص مجرم ہوگا جو دیدہ و دانستہ اور بالارادہ کسی فرد یا پبلک کو ملک معظم کی بری ، بحری یا فضائی لشکر میں شامل ہونے سے باز رکھنے کی کوشش کرے یہ ہے بھرتی کے متعلق ۔

دوسرے یہ کہ وہ شخص مجرم ہوگا ۔ جو بغیر باز رکھنے کی کوشش کے پبلک یا کسی فرد کو جو فوج میں شامل ہو چکے ہیں کسی ایسے جرم کے ارتکاب کے لئے برانگیختہ کرے جو بطور غدر یا عدم تعمیل حکم مستوجب السزا ہے ۔ قانون کا یہ جزو ایک منظم یا غیر منظم تحریک یا شورش کے متعلق ہے ۔ جس کا مدعا فوجیوں کو غدر یا نافرمانی کے لئے اکسانا ہے میں معزز ممبران سے یہ پوچھتا ہوں کہ آپ پہلے تو موجودہ حالات کو اچھی طرح زیر نظر رکھیں ۔ پھر مجھے بتائیں کہ کیا میں اپنے ہموطنوں کو یہ پیغام بھیجوں کہ فوج میں شامل ہونے سے باز رہیئے ۔ اور اگر آپ شامل ہو جائیں تو غدر کیجئے اور احکام نہ مانیئے ،

کیا میں ہندوستان کے عام سپاہیوں اور افسروں کو غدر کے لئے اکساؤں؟ کیا آپ موجودہ حالات میں یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے بہترین فوجیوں کی رہنمائی غدر اور نافرمانی کی جانب کی جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کی سفارش ماننے اور رہنمائی کے مطابق عمل کرنے والے لوگ وہی ہوں گے جو بہترین ہیں۔ اس کا نتیجہ ان لوگوں کے حق میں کیا ہوگا؟ کیا ہم یہ پیغام اس ایوان سے بھیج کر خاموش رہیں گے۔ یا اس کو جامۂ عمل پہنانے کے لئے ایک پروگرام اس شریر النفس حکومت کے خلاف مرتب کریں گے؟ کیا یہ بات ہمارے اختیار میں ہے؟ میں ایوان کو اس کے نتائج سے آگاہ کرتا ہوں۔ تین روز ہوئے مجھے ایک سابقہ قیدی کی دلخراش چٹھی ملی جس میں اس نے مجھے اپنی دردبھری داستان سے آگاہ کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ وہ کس مصیبت میں گرفتار ہے۔ میں یہ چٹھی کانگرس پارٹی کو دکھا سکتا ہوں۔ وہ خود اس کی تصدیق کرلیں۔ کیا میں اپنے سپاہیوں کو جرائم فوجی پر آمادہ کروں تاکہ وہ اس قسم کے خطرات میں پڑیں۔ اور یہ نتیجہ ہو کہ میری بات ماننے والے اپنی زندگی کے اشغال اور وسائل روزی کو برباد کرلیں۔ علاوہ بریں اگر ایسے لوگوں کے ہاتھوں کوئی بغاوت یا سرکشی حادث ہوئی تو نقصان جان یقینی ہے۔ فرمائیے تو کیا آپ موجودہ حکومت کی مشین توڑ سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم اس کے لئے تیار بھی نہیں۔ پس میں آپ کو مشورہ دونگا کہ حکومت کی اصلاح کرنے یا حکومت پر قبضہ پانے کے لئے آپ دیگر وسائل تلاش کیجئے اور کسی قابل عمل طریق پر توجہ مرتکز فرمائیے۔ اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ آپ کا مدعا حاصل ہو جائے۔ میں انقلاب سے خائف نہیں ہوں۔ میرے خیال میں ہر ملک کو بغاوت یا سرکشی کا حق حاصل ہے لیکن میں آج اگر اپنی فوج کو اکساؤں تو اس کا نتیجہ میرے حق میں تباہ کن ہوگا نہ کہ میرے

مخالف کے حق میں جسے میں نقصان پہنچانا چاہتا ہوں - بالفاظ دیگر میں اپنے لئے ایک بیہودہ اور بیکار حیثیت پیدا کرنا نہیں چاہتا - مجھے موجودہ رجحان اختیار کرنے پر یہی ایک دلیل مجبور کرتی ہے -

میرے معزز دوست مسٹر ستیہ مورتی اور دوسرے معزز ممبران نے ہندوستان کی شکایات اور حکومت برطانیہ کے جرائم کا ایک دفتر پیش کیا ہے - ان میں فرقہ داری کا ذکر بھی کیا ہے - مگر زیر بحث قانون کو فرقہ داری سے یا کسی خاص فرقے سے کوئی دخل نہیں - اس لئے میں اسے خارج از بحث رکھوں گا - لیکن اگر میرے اس خیال کی تائید میں کسی دلیل کی حاجت ہے تو سنئے - اہل کانگرس کبھی تو مذہب کا نام لیکر مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں اور کبھی ان کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف یا تو جبر سے کام لیں یا دھمکیاں دیں - موجودہ بحث میں کانگرسی ممبروں نے مسلم لیگ والوں کو متاثر کرنے کے لئے بلا شبہ یہ رجحان اختیار کیا - مسٹر گیڈگل اور بعض دوسرے معزز ممبران نے فلسطین کا مسئلہ چھیڑا - میں فلسطین اور وزیرستان کے متعلق ان کے نقطۂ نگاہ سے پوری طرح متفق ہوں - بہرحال اپنی نیک نیتی کے متعلق آپ کی تشفی کرنے کے لئے میں کہوں گا کہ ہم فلسطین اور وزیرستان کے باوجود قانون زیر بحث کے اصول سے متفق ہیں - چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ حکومت کے خلاف مسلمانوں کو کانگرس پارٹی کی نسبت کہیں بڑھکر شکایات ہیں - اپنے ملک کی بہتری کے معاملے میں ہم سچے دل سے آپ کے ساتھ متفق ہیں - اس کے علاوہ ہم دنیا کے دیگر مسلمانوں کے حق میں جذبات ہمدردی رکھتے ہیں - کیونکہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں - لیکن یہ بھی درست ہے کہ ہم فلسطین اور وزیرستان میں برطانوی حکمت عملی کو نامنصفانہ اور بے رحمانہ سمجھتے ہیں - الغرض ہماری شکایت سخت تر ہے اور آپ کی شکایت

سے کہیں بڑھ کر ورنہ میں کوئی فرقہ وارانہ مسئلہ پیش نہیں کر رہا۔ اس قانون کی تائید سے ہمارا مدعا کیا ہے؟ بس یہی کہ بقول شخصے یہ دو خرابیوں میں سے کمتر خرابی ہے اور چونکہ ناگزیر ہے اور بلحاظ عمل ضروری ہے اس لئے ہم مجبور ہو کر اس کے خلاف ہاتھ نہیں اُٹھاتے۔

حکومت برطانیہ کی فہرست جرائم کے سلسلہ میں ایک معزز ممبر نے کہا کہ میں اس قانون کو ہرگز وضع نہ ہونے دونگا۔ تاوقتیکہ حکومت برطانیہ آج اس ایوان میں اس امر پر رضامند نہ ہو جائے کہ ہم قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء منسوخ کرتے ہیں اور آپ کو وہی آئین دینگے جو آپ چاہتے ہیں۔

جناب والا! مسٹر ستیہ مورتی نے بھی بہت کچھ کہا۔ میں بھی ان کی بعض باتوں سے متفق ہوں۔ میں ان کی تقریر کے چند اقتباسات پڑھتا ہوں۔

اول بھرتی کے ضمن میں وہ اپنی مدد دینے کی پہلی شرط یہ قرار دیتے ہیں، کہ "قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کی ترمیم کی جائے اور ملک کے ڈیفنس (دفاع) پر ایک ذمہ دار وزیر مامور ہو"۔ میری رائے میں یہ ایک مشکل کام ہے جسے وہ آسان سمجھ رہے ہیں۔ میں یہ پوچھتا ہوں کیا آپ یہ قانون نامنظور کرنے سے حکومت کو اپنی بات ماننے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ اور حکومت کو راہ پر لانے کے لئے اتنا زور کافی ہے؟ کیا حقیقت میں آپ کا یہی خیال ہے؟

مسٹر ستیہ مورتی۔ ہاں ہے!

مسٹر جناح۔ صرف قانون نامنظور کرنا کافی ہوگا؟ یا آپ کو غدر اور نافرمانی کی حوصلہ افزائی بھی کرنی پڑے گی؟ (جواب میں خاموشی)

جناب والا! اس کے بعد مسٹر ستیہ مورتی یہ بھی چاہتے ہیں کہ جہاں تک جلد سے جلد ممکن ہو برطانوی افواج اس ملک سے نکال دی جائیں۔ کیا ان کی یہ شرط اجتماع ضدین کے برابر نہیں؟ ہم بھی واقعی ان افواج کا اخراج ہی چاہتے ہیں۔ یہی ہے وہ حکمت علی جس پر ہم اصرار کے ساتھ قائم ہیں اور اس کے لئے ہمارے دلائل بھی ناقابل جواب اور ناقابل شکست ہیں۔ ماسوا اس کے کہ حکومت اس پر رضامند نہیں۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ افواج ہند کامل طور پر ہندوستانی ہوں۔ اور برطانوی عنصر سے معرّا۔ میں کئی سال سے اس کے لئے لڑ جھگڑ رہا ہوں مگر صرف نام نہاد سی کامیابی ہوئی ہو تو ہوئی ہو (کانگرس ممبران کو مخاطب کرتے ہوئے) آپ اپنے بہترین لوگوں کو کیونکہ وہی آپ کی بات پر کان دھریں گے فوج میں عدم شمولیت کا پیغام بھیجنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ صرف نالائق لوگ اور پیسے کے بندے ہی فوج میں داخل ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی آپ فی الفور یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ فوج قطعی طور پر ہندوستانی ہو۔ کیا یہ دونوں مطالبے ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں؟ اچھے سے اچھے اشخاص کو فوج میں شامل ہونے سے روکنا اور بُرے سے بُرے لوگوں کو اس کا موقع دینا قطعی طور پر اجتماع ضدّین ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہم جائز اور بجا طور پر بے صبر ہو رہے ہیں۔ مگر قانون نامنظور کرنے سے کام نہ چلے گا۔ نتائج بُرے ہوں گے مجھے بھی مجوزہ قانون سے اُلفت نہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ نامنظوری سے کس کا نقصان ہوگا؟

مسٹر ستیہ مورتی کا تیسرا نکتہ یا یوں کہئے کہ شرط یہ ہے کہ "حکومت برطانیہ صاف صاف طور پر اور دیانت داری کے ساتھ ایک لائحہ عمل منظور کرے جس سے زیادہ سے زیادہ بیس برس میں فوج کامل طور پر ہندوستانی ہو جائے۔"

میں صدق دل سے اس کی تائید کرتا ہوں - مجھے یاد نہیں کہ میں کتنی مدت سے اس
تجویز کی وکالت کرتا رہا ہوں - چنانچہ پہلی گول میز کانفرنس کی مجلس دفاع (ڈیفنس کمیٹی) میں
میں نے اس کے متعلق ایک معمولی اور ہلکی سی تجویز پیش کی - مگر مجھے افسوس ہے کہ ایک
ہندوستانی ممبر نے بھی تو میری تائید نہ کی - میری تجویز فقط اتنی تھی کہ آئندہ افسروں کی
بھرتی میں برطانوی نہ لئے جائیں اور صرف ہندوستانیوں پر محدود ہو - اگر یہ طریق اختیار
کیا جائے تو پھر بھی اندازہ کیا گیا ہے کہ محض اور فقط ہندوستانیوں کو افسر بنانے
کے لئے چالیس پچاس سال کی مدت درکار ہوگی - آپ روئداد پڑھ کر دیکھئے کہ اس تجویز کیلئے
میں تن تنہا جدوجہد کرتا رہا اور کسی ہندوستانی نے میرا ساتھ نہ دیا -

مسٹر ستیہ مورتی کا چوتھا نکتہ یہ ہے کہ "ہندوستانی افسروں سے اچھا سلوک کیا
جائے اور ان کا حوصلہ بڑھایا جائے" مگر اس مطالبے کے ساتھ ہی آپ غدر اور عدم تعمیل
حکم کے لئے برانگیختہ کر رہے ہیں - حالانکہ قانون زیر بحث کا منشا اسی کو روکنا ہے - اور
اگر کوئی شخص ان لوگوں کو نہ اکسائے گا تو کیا قانون پر عمل کرنے کا موقع ہی نہ پیش آئیگا -
یہ قانون ۱۹۳۲ئہ میں موجود تھا اور ۱۹۳۵ئہ میں منسوخ کیا گیا - میں نہیں سمجھ سکتا کہ تنسیخ
کے وقت حکومت کو ہوا کیا - شاید اس کا دل مائل بہ خوشنودی ہند تھا - بہر حال اہل حکومت
برطانیہ اپنے درست یا غلط اندازے کیا کرتے ہیں - مگر انھوں نے قانون منسوخ کرنا ہی
مناسب جانا - اس وقت تو یہ امر خود آپ کے اعمال پر منحصر ہے کہ حکومت برطانیہ آپ
کے افسروں سے نیک سلوک روا رکھے اور ان کے حوصلے بڑھائے -

مسٹر ستیہ مورتی کا پانچواں نکتہ یہ کہ قواعد ترتیب لشکر میں اس طرح اصلاح کر دے
کہ برطانوی اور ہندوستانی افسروں کو رتبہ مساوات حاصل ہو اور نسلی امتیاز برتری دور کر کے

ہندوستانی افسران اعلیٰ کو یہ حق دیا جائے کہ وہ برطانوی افسران ادنیٰ کے حاکم ہوں۔ (ایک ہی دستہ وغیرہ میں ان کی کمان کر سکیں) میں اس کی پوری طرح تائید کرتا ہوں۔ یہ ایک نیا نکتہ ہے۔

مسٹر ستیہ مورتی کی چھٹی شرط یہ ہے کہ ملک معظم کی حکومت کو صاف طور پر بتا دیا جائے کہ "ہندوستانی سپاہی کسی ایسی جنگ میں حصہ نہ لیں گے جو ہندوستان کے مفاد و اغراض کے خلاف ہو" میں اس سے بھی کامل طور پر متفق ہوں۔ حکومت برطانیہ کہتی ہے کہ ہندوستانی فوج کا وجود اولاً اور زیادہ تر اغراض ہند کے لئے اور ملک کے اندرونی امن و امان اور سلامتی کے لئے ہے۔ مگر ان الفاظ میں ایک رخنہ ہے۔ چنانچہ میں ان کو بدل کر یوں کہوں گا کہ ہندوستانی فوج اول سے آخر تک اور کامل طور پر ہندوستان کے مفاد اور اغراض کے لئے ہونی چاہئے۔ اور اگر برطانوی حکومت علاوہ ازیں اس سے کام لے تو صرف ایسی جنگ میں اور ایسی تکلیف یا آفت کے وقت جب کہ ہندوستان کے مفاد و اغراض پر بُرا اثر ہونے کا اندیشہ ہو اور ہم برضا و رغبت خود حکومت کے ساتھ تعاون کریں اور اسے مدد دیں۔

بہرحال موجودہ آئین میں ایک رخنہ ہے اور ہندوستانی فوج ایسے ہاتھوں میں ہے اور اس سے کام لینے کے مختار وہ شخص ہیں جو ہمارے سامنے جواب دہ نہیں۔ اس کا کیا علاج کیا جائے؟ مسٹر ستیہ مورتی اور ایک اور صاحب نے فرمایا ہے کہ ۱۹۱۴ء (گزشتہ جنگ عظیم کا سال آغاز) کا ہندوستان ۱۹۳۵ء کے سال سے مختلف ہے۔ بہت اچھا، مگر اس وقت ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ فرض کیجئے کہ ہم بھرتی کی منزل اور غدر پر برانگیختہ کرنے کی منزل سے گزر کر مجوزہ قانون کو وضع کر چکے ہیں اور جنگ جاری ہو گئی ہے۔ اس کے

پیش نظر مختار ان برطانیہ ہماری فوج سے کیا اور کیونکر کام لیں گے؟ یا ہم خود کس کام کے روادار ہوں گے اور اس کے متعلق کیا طریق چاہیں گے؟ خوب سمجھ لیجئے کہ ایک انگریز چاہے اس کا دماغ کتنا ہی بھدا کیوں نہ ہو وہ جانتا ہے کہ اس قانون کی تدابیر کے باوجود ہندوستان کی رائے عامہ بھی ہے اور اس کا اثر اور زور بھی۔ چنانچہ میں آپ سے پھر بھی سفارش کرونگا کہ ہم اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے ان وسائل کو کام میں لائیں جو ہمارے اختیار میں ہیں۔ مگر ہم ہیں کہ اپنی غفلت کے سبب اور اپنی قوتوں کو ادنی معاملات میں ضائع کرنے کی وجہ سے ان اختیارات کو بیکار بنا رکھا ہے۔ جنگ کا وقت آنے دیجیئے۔ ہم کچھ عرصہ سے جنگ کے امکانات کی نسبت بہت کچھ سن رہے ہیں مگر مجھے تو جنگ جلد چھڑتی نظر نہیں آتی۔ بہر حال اگر جنگ کا اتفاق ہو بھی گیا اور ہم نے درست راستہ اختیار کیا تو ہماری رضا حاصل کئے بغیر حکومت کے لئے یہ امر بہت ہی مشکل ہو جائے گا کہ ہماری فوج سے جس طرح چاہے کام لے۔ آپ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ قانون منظور کیا تو پھر بھی حکومت ہمیں ویسے وسیلے اختیار کرنے سے روکیگی۔ آپ یہ بات کیوں کہتے ہیں؟ آپ کے راستے میں کون سی رکاوٹ ہے؟ کیا یہ قانون سدّ راہ ہے جو ایک سال کی یا کسی اور مدت کی سزا مقرر کرتا ہے؟ آپ صاحبانِ عمل ہیں۔ آپ ملکی مدبر ہیں۔ کیا آپ بھی یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اگر کل جنگ چھڑ جائے تو حکومت اس سے بدتر قانون بذریعہ آرڈی نینس (ہنگامی قانون بطور فرمان) وضع نہیں کر سکتی؟ اس وقت آپ کیا کریں گے؟ ڈر جائیں گے کیا؟ مجوزہ قانون میں تو صرف ایک یا دو سال کی سزا مقرر ہے۔

ایک معزز ممبر۔ نتائج کا اندازہ آپ ابھی سے کر رہے ہیں؟

مسٹر جناح۔ ہم نے اسی غرض سے ایک ترمیم کی تحریک کی ہے۔ حکومت کوئی

ایسا کام نہ کرسکے گی جس سے ہم متفق نہ ہوں گے۔ مگر میرا مدعا تو اس سوال سے صرف اپنی دلیل کی کچھ تفصیل پیش کرنا تھا۔ اس وقت زیر بحث تین اتفاقات ہیں۔ ایک تو بھرتی دوسرے غدر پر اُکساہٹ۔ میں سپاہیوں اور افسروں کو برانگیختہ کرنے اور غیر متابنت کے اعمال پر آمادہ کرنے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہوں۔ تیسری منزل جنگ چھڑ جانے کی ہے۔ میں نے اپنے معزز دوست لیڈر نیشنلسٹ پارٹی کی تقریر بڑے غور سے سُنی ہے جو کچھ اُنھوں نے فرمایا اور ثابت کرنے کی کوشش کی قابل داد ہے۔ چاہے میں اُن سے اتفاق کروں یا نہ کروں۔ انھوں نے ایک لیڈر کے وقار اور مقام کو قائم رکھا۔ میں اُن کے دلائل کا زور تسلیم کرتا ہوں۔ اسی طرح میرے دوست ڈپٹی پریذیڈنٹ کے دلائل میں زور اور اثر تھا اور انھوں نے بھی ایک لیڈر کے وقار اور مقام کو قائم رکھا۔ میرا اور مسٹر اینے کا مقصد اسی امر پر بحث کرنا تھا کہ جنگ کے حادث ہونے سے پہلے نتائج پر غور کر لیا جائے۔ میری رائے میں اس وقت صورت حال یہ نہ ہوگی۔ اگر آپ نے مجوّزہ قانون منظور نہ کیا تو حکومت گزشتہ جنگ والا طریق اختیار کریگی۔ چنانچہ اس نے ہنگامی قانون بطور فرمان وضع کئے تھے۔ قانون دفاع ہند بنایا تھا اور اسی قسم کے اور کام کئے تھے جو ایسے مواقع پر ہر ملک میں کئے جاتے ہیں۔ کیا آپ کے وہم وگمان میں بھی یہ بات آسکتی ہے کہ جنگ ہوئی تو یہ حکومت خاموش بیٹھی رہے گی؟ قیاس غالب تو یہ ہے کہ ہنگامی قانون ابھی سے تیار کر لئے گئے ہیں اور حکومت کے دفتر میں موجود ہیں۔ سزا کا خطرہ ابھی سے موجود ہے۔ ایک سال، دو سال، پانچ سال، مگر میں نہیں سمجھتا کہ یہ چیز ہماری راہ میں حائل ہوگی۔ البتہ یہ شرط ہے کہ ہم اپنے مقصد کے لئے صحیح طریق اختیار کریں۔ پھر خدا نے چاہا تو ہم ہنگامی قوانین اور اس کے پشتیبان نظام کے باوجود حکومت کو اگر اُس نے

ہماری متابعت نہ کی ساکت اور مفلوج کر سکتے ہیں۔

مولوی عبدالرشید چودھری۔ بتایئے کیسے؟

مسٹر جناح۔ جب وقت آئے گا تو بتا دونگا۔ میں نے مسٹر ستیہ مورتی کے ششش گانہ نکات کے متعلق جملہ امور بیان کر دیئے ہیں۔ اب میں قانون کی جانب لوٹتا ہوں۔ اس بات میں مَیں مسٹر ستیہ مورتی سے متفق ہوں کہ ہم پنجاب کی اپنی زحمت برداشت نہیں کرنا چاہتے۔ میری یہ رائے درست ہو یا غلط۔ اور فرض کیجئے کہ درست ہی ہے کہ پنجاب کی مجلس قانون ساز کو یہ قانون وضع کرنے کا اختیار نہیں۔ پھر بھی میں نہیں چاہتا کہ پنجاب پر یا کسی اور صوبے پر یہ قانون مرکزی حکومت کے حکم سے عاید کیا جائے۔ میری پارٹی نے اس پر پورا غور کرنے کے بعد اپنی ترمیم پیش کی ہے جو اگر منظور نہ کی گئی تو ہم قانون کی تائید نہ کریں گے۔

مسٹر ڈی۔ کے۔ لاہری چودھری۔ آپ نے ترمیم کے متعلق حکومت سے سمجھوتہ کر لیا ہے؟

مسٹر جناح۔ نہیں مطلق نہیں۔ اگر آپ کنایتہً الزام لگاتے ہیں اور اس طرح ہمارے اصلی محرکات پر اعتبار نہیں کرتے ہیں تو آپ کو اختیار ہے۔ مجھے آپ سے اور کچھ نہیں کہنا۔ ہاں میں ترمیم کی منظوری پر اصرار کرتا ہوں۔ اس بات کے کہنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا کہ حکومت اس قانون کی منظوری کی شرط پر ترمیم قبول کر لیگی۔ آپ غور و فکر کے بعد تسلیم کر لیں گے کہ اس قانون کے نفاذ کا فیصلہ خود صوبائی حکومتیں کریں۔ اگر یہ نہ ہوگا تو صوبائی حکومت خود اختیاری بالکل بے معنی سمجھنی چاہئیے۔

ہم حکومت پنجاب کی زحمت خود گوارا کرنا نہیں چاہتے۔ پس ہم اسے کہتے ہیں کہ اپنی تکالیف سے خود ہی نپٹے۔ اگر آپ کو اس قانون کی ضرورت ہے تو نکتہ چینوں کا اور

اعتراضوں سے آپ خود ہی عہدہ برآ ہونے کی کوشش کیجئے۔ آپ اپنی مجلس قانون ساز سے اجازت طلب فرمائیے۔ اور کہئے کہ ہم مرکزی مجلس کے وضع کردہ "قانون کو پنجاب میں نافذ کرانا چاہتے ہیں۔

جناب والا! یہ ہے اوّلین امر جس پر میں نے ترمیم میں اصرار کیا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ فقط اور محض مقاصد زیر بحث کے موقع پر یہ قانون استعمال میں لایا جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اور مطلب براری نہ کی جائے۔ اس لئے مقامی حکومت کی منظوری کے بغیر اس کے ماتحت کسی شخص کے خلاف استغاثہ دائر نہ کیا جائے۔ اور سزا کی نسبت میرا خیال ہے کہ محض ایک سال کی مدت ہمارا مقصد حاصل کرنے کے لئے کافی ہوگی۔ میں دفعہ ۲ الف کے الفاظ میں تبدیلی چاہتا ہوں۔ میرے نزدیک صرف یہ نہ قرار پائے کہ وہ شخص جو پبلک کو یا اس کے کسی فرد کو ملک معظم کی برّی بحری یا فضائی فوج میں داخل ہونے سے باز رکھنے کی کوشش کریگا مستوجب السزا ہوگا۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ "جو شخص اس نیت سے کہ ملک معظم کی برّی۔ بحری یا فضائی فوج کے لئے بھرتی پر برا اثر ہو۔ پبلک کو یا کسی فرد کو ان افواج میں داخل ہونے سے باز رکھنے کی کوشش کرے گا مستوجب السزا ہوگا۔"

جناب والا! یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ میں نے ترمیم کے متعلق عرض کیا اس کے بغیر اور کوئی بات کہنے کی نہیں رہی۔ اگر کسی پارٹی نے کوئی اور ترمیم پیش کی تو میں اس پر خوشی سے غور کرونگا۔ چاہے اس سے اتفاق کروں یا نہ کروں۔

ایک آنریبل ممبر۔ شکریہ! بہت بہت شکریہ!

مسٹر جناح۔ مگر دیگر ترمیمات کا معاملہ ایک علیحدہ چیز ہے۔ سردست اور

آخر میں تو مجھے یہی کہنا ہے کہ قانون مجوزہ کو تمام نقطہ ہائے نگاہ سے دیکھنے کے بعد مجھے اور میری پارٹی کو اس امر کا احساس ہے کہ نظر بہ حالات موجودہ ہم اپنے اہل وطن کو سخت سے سخت نقصان پہنچائیں گے۔ اگر ہم نے کسی ایسی تحریک یعنی منظم تحریک۔ مخالفانہ تحریک کو بر روئے کار آنے دیا جس کی دھمکی دی جا رہی ہے اور جس کا مقصد بھرتی کی بندش ہے۔ اور غدر اور غیر متابعت کے اعمال کے لئے فوجیوں کو برانگیختہ کرنا ہے۔

جناب والا! افسوس ہے کہ میں اس خیال کی تائید کرنے سے قاصر ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ دن آنے والا ہے جب میرے دوستوں کو اس امر کا کامل احساس ہو جائے گا کہ میں نے جو کچھ کیا ان ہی اغراض و مقاصد کی بنیاد پر کیا جس کا وہ اپنے لئے دعویٰ کرتے ہیں نیز یہ کہ میرا آج کا کام ہندوستان کے مفاد کے حق میں ایک کارآمد خدمت ہے۔

قائداعظم

کی وہ تقریر جو آپ نے فنانس بل بابت سنہ ۴۰-۱۹۳۹ء پر مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی میں ۲۲ رمارچ سنہ ۱۹۳۹ء کو ارشاد فرمائی۔

جناب والا! میں مباحثات میزانیہ کے دوران میں جلد ہی تقریر کرنے لگا ہوں وجہ یہ کہ مجھے مسلم لیگ پارٹی کی حالت کی وضاحت مدنظر ہے۔ امید ہے کہ آپ مجھے سخت پابندی ترک کرنے کی اجازت دیں گے۔ تاکہ میں ترمیم زیر بحث سے الگ ہو کر تقریر کروں۔ یہ ایوان موجودہ ترمیم کے علاوہ دیگر ترمیمات پر بھی بحث کرے گا۔ اس مسوّدہ قانونِ مالی میں پانچ خاص امور ہیں۔ نمک پر محصول، کھانڈ پر محصول اندرونی۔ خام روئی پر محصول درآمد شرح محصولات ڈاکخانہ۔ اور انکم ٹیکس اور زائد انکم ٹیکس۔

جناب والا! میں بجٹ (میزانیہ) کو اس کی موجودہ شکل میں پسند اور منظور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کی ترتیب و تدوین میں ہمارا کوئی حصہ نہیں اور نہ ہماری رائے کو دخل ہے اگر ایسا ہوتا تو میں یا یوں کہئے کہ ہم اس کی تشکیل مختلف طور پر کرتے۔ اگرچہ تمام و کمال میزانیہ بہ یک وقت ہمارے سامنے لایا گیا ہے مگر اس وقت زیر بحث محض تجاویز ٹیکس ہیں۔ جن کے متعلق ہمیں رائے دینا ہے اور کمی کرنے کی ترمیمات پیش کرنا ہے۔

جناب والا! اس ایوان میں مسلم لیگ پارٹی کی حیثیت کچھ عجیب ہے۔ خوش قسمتی

یا بد قسمتی سے توازن ایوان ہمارے دست قدرت میں ہے ۔ چنانچہ اگر ہم حکومت کی تائید کریں تو فنانس ممبر صاحب اس مسودے کو ساحل پر صحیح و سلامت پہنچا سکتے ہیں اور علیٰ خاطر خواہ طور پر اور زیر و زبر بدلنے کے بغیر وضع کرا سکتے ہیں چنانچہ وہ نہ صرف اس ایوان کے سامنے اس کی وکالت کریں گے بلکہ ہماری پارٹی کی تائید اور اعانت حاصل کرنے کیلئے بھی اپیل کریں گے۔

جناب والا! اس وقت تک ہم مسلم لیگ پارٹی کے ممبر اس اصول پر عمل پیرا رہے ہیں کہ اگر حکومت نے کوئی ایسی تدبیر پیش کی جو اہل ہند کے حق میں مفید تھی تو ہم نے اس کی مدد کی ۔ لیکن اگر حکومت کی کوئی تجویز و تدبیر منافی اغراض ملکی تھی تو ہم نے مخالفت کی۔ مگر میں اب یہ دیکھتا ہوں کہ ہمیں یہ حکمت عملی بدل دینی چاہئیے ۔ اس کے یہ معنی ہوئے اور ہمیں مجبور کر کے اس حالت پر پہنچایا گیا ہے کہ جب کانگرس راستی پر ہو تو ہم اس کی تائید کریں اور جب حکومت راستی پر ہو تو ہم اس کی مدد کریں ۔ مگر جب ہم راستی پر ہوتے ہیں تو کوئی شخص ہماری مدد نہیں کرتا۔ ان امور کے پیش نظر میں حکومت کو بتانا چاہتا ہوں کہ مسلم لیگ پارٹی کے متعلق اس کی حکمت عملی، رجحان اور اعمال کیسے رہے ہیں ۔ میں خوش ہوں کہ فنانس ممبر نے اپنی طویل تقریر میں ہمیں مخاطب کر کے کہا کہ "کانپور کو یاد رکھو ۔ بنارس کو یاد رکھو ۔ بدایوں کو یاد رکھو" مگر میں ایوان کو بتا سکتا ہوں کہ ان کے علاوہ بھی اس ملک میں بہت ایسے مقامات ہیں جہاں مسلمانوں کے ابتدائی حقوق پامال کئے گئے مگر اس کے متعلق حکومت نے کیا کیا؟ تھوڑے دن ہوئے میں نے مسٹر ولبھ بھائی پٹیل کی ایک تقریر پڑھی جس میں انھوں نے کہا تھا کہ "یہ الزامات اور شکایات بالکل بے بنیاد ہیں کہ (بعض صوبوں میں کانگرسی وزارتوں نے) مسلمانوں کے ساتھ ناروا ظالمانہ اور نا منصفانہ سلوک کیا اور ان پر تشدد بھی کیا گیا ۔ وجہ یہ کہ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً گورنر دخل دیتا" حال میں مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے بھی اپنی ایک تقریر میں اسی دلیل پر

انحصار کیا - یعنی "اگر ان بے بنیاد تہمتوں اور الزاموں میں ذرہ بھر بھی صداقت ہوتی تو یقیناً گورنر الگ تھلگ خاموشی کے ساتھ نہ بیٹھے رہتے وہ فی الفور دخل دیتے۔"

جناب والا! اس کے یہ معنی ہوئے کہ جب گورنروں نے دخل نہیں دیا تو ہمیں تسلّی رکھنا چاہئے کہ ...... (ناروا سلوک بھی نہیں ہوا)

مسٹر لال چند نول رائے - جناب والا! دستور مباحثہ کی رو سے پوچھتا ہوں کہ معزز ممبر غیر متعلقہ باتیں تو نہیں کر رہے؟ موضوع ترمیم سے دور تو نہیں جا رہے؟

صاحب صدر (آنریبل سر عبدالرحیم) اگر ہمارا خیال درست ہے تو معزز مقرر اپنی پارٹی کے عمل کا جواز عام سیاسی کوائف کی رو سے پیش کر رہے ہیں۔

مسٹر جناح - صحیح فرمایا - میں بہت سی تقریروں کی بجائے صرف ایک تقریر میں فنانس بل کے متعلق اپنی پارٹی کے نقطۂ نگاہ اور طریق عمل کی تشریح کرنا چاہتا ہوں میں حیران ہوں کہ معزز ممبر نے میری بات کیوں کاٹی - میری رائے میں اس امر کے تسلیم کرنے میں مضائقہ نہ ہوگا کہ میں ان ممبروں میں سے ہوں جو اس ایوان کا کم سے کم وقت لیتے ہیں - میں اس بات کا عادی بھی نہیں ہوں کہ چاہے کسی مسئلہ کو سمجھوں یا نہ سمجھوں مگر اس پر کچھ نہ کچھ کہوں ضرور۔

مسٹر لال چند نول رائے - میں اس امر کا صرف قانونی پہلو سمجھنا چاہتا ہوں۔

مسٹر جناح - اب تو آپ سمجھ گئے؟ میں خوش ہوں کہ معزز ممبر نے آج کچھ تو سیکھا - جناب والا! میں عرض کر رہا تھا کہ یہ ہے مسلم لیگ کے نزدیک صورت حالات - اس کے علاوہ میں فلسطین، وزیرستان اور رجے پور کی نسبت بھی پوچھتا ہوں کہ اس وقت طاقت مقتدرہ (برطانوی حکومت) کہاں تھی اور کہاں ہے؟

بھائی پرمانند۔ حیدر آباد بھی۔

مسٹر جناح۔ جب آپ کی باری آئے گی تو اپنی پارٹی کے رجحان کی وضاحت کر لیجئے گا۔ اس وقت مجھے اپنی پارٹی کی نسبت کہنے دیجئے۔

ہاں! تو جے پور میں کیا ہوا۔ سترہ مسلمان گولی مار کر کتوں کی طرح ہلاک کئے گئے۔ اور اس اطلاع کے مطابق جو ہمیں ملی ہے۔ اور جس کی صحت پر ہم اُس وقت تک برابر اعتبار کریں گے جب کہ اس کے خلاف ثبوت ملے۔ ہاں اس اطلاع کے مطابق گولی بغیر کسی تنبیہ کے چلائی گئی۔ اور گولی چلانے کی ضرورت بھی مطلق نہ تھی کہاں ہے طاقت مقتدرہ؟ کیا کر رہے ہیں اہل فوقیت؟ میں یہ نہیں کہتا کہ حکومت ہند ریاستوں پر دباؤ ڈالنے کے لئے انھیں اپنی اپنی ریاست میں آئینی اصلاحات رائج کرنے پر مجبور کرے۔ مگر یہ معاملہ ہے مہذبانہ نظم حکومت کے بنیادی اور لازمی اصول کو قائم کرنے کا۔ کیا یہ ہے طریق اپنے شہریوں کے ساتھ منصفانہ اور دیانت دارانہ سلوک کا ــــ؟

جناب والا! میں اس قسم کی مثالوں پر مثالیں پیش کر سکتا ہوں مگر ایوان کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ پھر ایسی باتوں کا یہ موقع بھی نہیں۔ میں حکومت سے پوچھتا ہوں کہ آپ ہم سے یہ توقع کیوں رکھتے ہیں کہ آپ کی آفت اپنے سر لیں؟ اور آپ کی بظاہر سچی دلیلوں اور حقیقت میں نمائشی ملتوں کے سبب آپ کے تابع فرمان، خدمت گذار رہیں؟ پس جہاں تک آپ کو دخل ہے ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم اس فنانس بل کے معاملہ میں آپ کی کوئی مدد نہ کریں گے۔ آپ جو راستہ چاہیں اختیار کریں۔ رہی کانگرس پارٹی۔ میں اس موقع پر تفصیلوں پر بحث نہیں کروں گا۔ مگر

یہ سچی بات ضرور کہتا ہوں کہ کانگرس پارٹی نہ صرف ہماری مخالف ہے بلکہ دشمن بھی اس لئے ہمارا ان کا تعاون ناممکن ہے۔ اس پر کانگرس پارٹی کہے گی کہ "ہمیں کچھ پروا نہیں۔ ہم اس ایوان میں سب سے بڑی پارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔" اس کے جواب میں مَیں ان سے کہتا ہوں کہ "ہاں! آپ تعداد میں سب سے بڑے ہوں، تو ہوں اسی طرح آپ ترقی یافتہ اور اقتصادی لحاظ سے طاقتور بھی ہیں۔ آپ چاہیں تو یہ خیال بھی کر سکتے ہیں کہ آخری فیصلے کا انحصار آرائے کے شمار پر ہے۔ مگر آپ یا حکومت برطانیہ یا دونوں ملکر بھی ہماری روح فنا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ہمارے موروثی تمدن کو برباد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ ہماری روح زندہ رہے گی۔ زندہ ہی اور زندہ چلی آئی ہے۔ آپ کا دل چاہے تو ہم پر غلبہ پانے، سختیاں کرنے اور ہم سے بدترین سلوک روا رکھنے کی کوشش کریں۔ مگر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں اور یہی ہمارا عزم راسخ ہے کہ اگر ہم کو مرنا ہی ہے تو ہم لڑتے بھڑتے ہوئے مریں گے۔ چنانچہ میں آج کی احتجاج — سچی احتجاج صرف بطور اقدام اول کرتا ہوں۔ یعنی اس ایوان میں برسر اجلاس اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ فنانس بل کے متعلق ہمارا رویہ کیا ہے اور کیوں ہے؟

ہمارا کلیجہ کباب ہو گیا ہے۔ ہمارے دلوں میں آگ لگی ہوئی ہے۔ ہمارا خون اُبل رہا ہے۔ ہم زحمتیں اٹھائیں گے۔ ہم آگ کے شعلوں میں سے گزرینگے ہمارا رویہ یہ ہو گا کہ ہم کسی ترمیم کی تحریک نہ کریں گے۔ آپ اپنے اس مسوّدہ قانون سے خود ہی نپٹیں۔ ہم کانگرس پارٹی یا کسی اور پارٹی کی کسی ترمیم کی تائید نہیں کریں گے۔ ہماری غیر جانبداری کا یہ نتیجہ ہونا عین ممکن ہے کہ کانگرس کو

فتح ہو اور حکومت کو شکست ۔۔۔ کیونکہ کانگرس کو کافی اکثریت حاصل ہے۔ مگر کانگرس کی فتح اس ایوان کے اس چھوٹے سے کمرے تک محدود رہے گی جسے "لوبی" کہتے ہیں - جہاں بے تکلفانہ طور پر بات چیت اور بحث وغیرہ ہوا کرتی ہے - اگر کانگرس کو اس سے کچھ حظ حاصل ہو تو کچھ ہرج نہیں - آپ اہل کانگرس کو سچی فتح ۔۔۔ اصلی فتح اس وقت ہو گی جب آپ ہماری جانب دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے - اور راہ رفاقت کی رکاوٹیں دور کرینگے۔

الغرض ہم نے قطعی فیصلہ کیا ہے کہ ہم کسی ترمیم کی تائید نہ کریں گے - چاہے اس کی تحریک کوئی پارٹی کرے۔ ہم حکومت کی مدد اس وجہ سے نہیں کریں گے کہ وہ ہمیں شہریت کے ابتدائی حقوق دلانے میں ناکام رہی ہے - اور وہ اختیارات محض فریب بلکہ بدتر از فریب ثابت ہوئے جو اس نے اس بہانے سے اپنے قبضے میں رکھے تھے کہ صوبوں کے گورنر اور گورنر جنرل اقلیتوں کے محافظ اور امین ہوں گے۔

اس لئے میں بذات خود اس بحث میں اور کوئی حصہ نہ لونگا مگر میری پارٹی کے ممبر اس امر کے مجاز ہوں گے کہ جب ترمیمات پیش ہوں تو آزادانہ طور پر اپنی رائے کا اظہار کریں تاکہ جناب رکن مالیات اور حکومت ہند کے معلومات میں اضافہ ہو۔

زیر بحث میزانیہ اور مسودہ قانون متعلقہ سے رکن مالیات اور کانگرس جس طرح چاہیں عہدہ برآ ہوں - کیونکہ اب اس چیز

کی بُرائی اور بھلائی کے وہی ذمہ دار ہیں۔
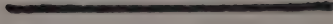
قائداعظم

کی وہ تقریر جو آپ نے جامعہ عثمانیہ کی "انجمن طلبائے سابقہ" کی سالانہ دعوت میں ۲۸ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ارشاد فرمائی۔

حضرات! مجھے توقع نہ تھی کہ اس دسترخوانِ ضیافت پر بھی جہاں علم و فن کے نورتن ہی نورتن جمع ہیں میں ان سیاسی مسئلوں کے متعلق بحث کرنے پر مجبور ہو جاؤنگا جن سے اس وقت ہندوستان دوچار ہے چونکہ اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس لئے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنے ملک کے مفاد و اغراض کی حفاظت کے لئے عزمِ صمیم اور حصول آزادی کیلئے کوشش ہو فور میں کسی سے کم نہیں ہوں میں دراصل ایک پابند عمل شخص ہوں میں ایک چوتھائی صدی سے سیاسیات عملی میں حصہ لے رہا ہوں اندریں مدت الفاظ "قومیت" اور "قومیت پسند" کے معانی اور مفہوم میں بہت سی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں بعض لوگوں نے اپنے لئے ایک ذاتی کتابِ لغت جدا بنا رکھی ہے لیکن اگر دیانتداری کے ساتھ اس کے معنی لیئے جائیں تو میں اس وقت تک قومیت پسند ہی پایا جاؤنگا۔ مجھے ہمیشہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی باہمی قرارداد پر بھروسہ رہا ہے مگر یہ معاہدہ عزت مندانہ ہونا چاہیئے نہ کہ ایسا جو کہ ایک کی بقا اور دوسرے کی فنا پر منتج ہو۔ بدقسمتی سے کانگریس کے مختاران اعلیٰ (کانگریس ہائی کمانڈ) اس امر کیلئے تیار نہیں کہ ہمارا دستِ رفاقت اپنے ہاتھ میں لیں ملکہ ان کے بس میں ہو تو وہ اسے جلا کر خاک کر ڈالیں اس وقت تو اندھیرا ہی اندھیرا ہے مگر دونوں فرقوں کا اتحاد عین ممکن ہے البتہ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ امید کب پوری ہوگی ہمیں دو شدید دشمن قوموں کے باہمی سمجھوتہ کی ایک تازہ مثال جرمنی اور روس کے اتحاد میں ملتی ہے میں ہر مسلمان سے کہتا ہوں کہ اسلام ہم سب سے اس فرض کے ادا کرنے کی توقع رکھتا ہے کہ ملت اسلامیہ بطورِ قومِ متحدہ کے مددگار رہوں۔

قائدِ اعظم

کی وہ تقریر جو آپ نے بتقریبِ یومِ عید ۱۳؍ نومبر ۱۹۳۹ء کو نشر فرمائی،

ہم پیرانہ سر لوگوں کو اپنی آزمائشیں اور تکلیفیں پیش آچکی ہیں۔ مگر میں آج کی شب اپنے احباب بالخصوص اہل شباب کی صحبت میں ان کو فراموش کرنا چاہتا ہوں اور تخیل گرم جوشی کے اُس تازہ ماخذ کا جو نوجوانوں کا دل ہے کچھ ذکر کرتا ہوں کیونکہ یہی ہیں وہ مردان کار جو آئندہ ہماری قوم کی تمناؤں اور حصول کمال کی خواہشوں کا بوجھ اٹھائیں گے۔

ماہ رمضان کی ریاضت اور سخت کوشی کی تربیت آج بارگاہ ایزدی میں ہمارے دلوں کو ایک غیر فانی حلم وانکسار تک پہنچیگی۔ مگر ہمارا انکسار کسی کمزور دل کا انکسار نہ ہوگا۔ وہ لوگ جو دل کی کمزوری کی مدحت کرتے ہیں خدا اور رسول دونوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ تمام مذاہب کا ایک نمایاں اصول جو بظاہر باطل مگر درحقیقت صحیح ہے یہ ہے کہ وہ لوگ جو حلیم اور منکسر المزاج ہوں گے انھیں کو قوت حاصل ہوگی اور اسلام کے لئے تو اس کے خاص معنی ومفہوم ہیں کیونکہ اسلام نام ہے "کام" کا۔

رمضان کی ریاضت سے رسولؐ مقبول کا مقصد یہ تھا کہ ہمیں کام کے لئے، عمل کیلئے ضروری طاقت حاصل ہو۔ کام کے لئے لازم ہے کہ ہم دوسروں سے راہ و ربط رکھیں جب

ہمارے رسولؐ نے "عمل" کی تلقین کی تو ان کے زیرِ نظر کوئی تنہا آدمی نہ تھا نہ اُس کے وہ کام جو محض اس کا دل سرانجام کرے یعنی عبادت اور روحانی کیف کا حصول۔

قرآن کریم کی رُو سے عبادت اور روزمرہ کی زندگی میں گہرا تعلق ہے۔ ہمیں کس قدر اور کتنے عجیب و غریب مواقع دیئے جاتے ہیں کہ اپنے ہم جنسوں سے تعلق پیدا کریں۔ ان کے حالات کو نگاہِ غور سے دیکھیں، ان کی ضرورتیں سمجھیں اور اس طرح ان کی خدمت کریں۔ قوانین نماز کے وسیلے سے یہ مواقع پیدا کئے گئے ہیں۔

ہم پانچ وقت محلہ کی مسجد میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ ہفتہ میں ایک بار جمعہ کے دن جامع مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ سال بھر میں دو مرتبہ عیدین کے روز شہر کے باہر میدان یا قصبہ کی سب سے بڑی مسجد میں ہمارا اجتماع ہوتا ہے۔ اور انجام کار عمر بھر میں کم سے کم ایک بار ہم مسلمان حج کے لئے دنیا کے ہر حصے سے آتے ہیں اور خانہ خدا میں عبادت بجالاتے ہیں۔ آپ دیکھئے کہ نماز کے اس لائحہ عمل سے ہم لازماً نہ صرف دوسرے مسلمانوں سے ملتے ہیں بلکہ غیر مسلموں سے بھی تعلق پیدا کرتے ہیں۔ دوران آمد و رفت میں ہم دوچار ہوتے ہیں۔ میری رائے میں احکام نماز صرف حسن اتفاق کا نتیجہ نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کا منشا ہمیں اپنے محرکات طبعی کے پورا کرنے کے لئے مواقع بہم پہنچانا ہے۔ قرآن کریم میں انسان خلیفۂ خدا کہا گیا ہے اور اگر اس کے کچھ معنی ہیں تو یہی کہ ہم پر احکام قرآن پر عمل کرنے کا فرض عائد کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہ جیسا سلوک نوع انسان سے خدا کرتا ہے ہم بھی دوسروں کے ساتھ کریں۔ اس فرض کا وسیع ترین مفہوم ہے، دوسروں سے محبت کرنا، اور درگزر کرنا، خطائیں معاف کرنا، مگر یہ ایک منفی فرض نہیں ہے بلکہ مثبت۔ اگر ہم بندگانِ خدا کے ساتھ بلا لحاظ فرقہ وغیرہ محبت، تحمل اور بردباری کے رویہ پر اعتماد

رکھتے ہیں تو ہمیں لازم ہے کہ اپنے روز مرّہ کے سیدھے سادھے فرائض اور غیر نمائشی نیکو کاریوں میں جامۂ عمل پہنائیں۔

وہ روح جو رمضان کی روزہ داری اور نماز گزاری نے ہمارے دلوں میں روشن کی ہے اس کا بہترین مظاہرہ یہی ہے کہ ہم اپنے گھروں میں، اپنی قوم میں یکجہتی پیدا کریں اور اس ملک میں بھی اتفاق واتحاد کی تلقین کریں جہاں مختلف مذہب اور طریقِ دین بر روئے کار ہیں اور ان تمام کوششوں کو نہ صرف شخصی زندگی کی بلکہ تعلقات دنیوی میں اپنا شعار بنائیں نیز یہ کہ ہمارا عمل بے غرضانہ ہو اور اس کا مدعا اپنے اہل وطن بلکہ اہل عالم کو نفع پہنچانا ہو۔

یہ ایک عظیم الشان نصب العین اور اس لئے طالب جدوجہد و ایثار۔ اس کوشش میں آپ کے دلوں پر بعض اوقات شک و شبہات کا حملہ بھی ہوگا۔ کبھی مادی ضرورتیں لڑائی لڑینگی مگر آپ ان پر قوت ارادی سے قابو پالیں گے۔ اس کے علاوہ کبھی روحانی صدمے بھی تکلیف دینگے مگر آپ کو ان کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اور اگر عید کے روز جبکہ ہمارے دلوں میں انکسار جاری وساری ہے عزم بلند اور عالی حوصلگی کے لئے بھی جگہ نہ پیدا کریں گے تو کبھی نہ کر سکیں گے۔ ہمارے ہندو اور مسلمان رہنماؤں کو فرقہ دارانہ تنازعات کا سخت رنج ہے میں ان کے اسباب پر بحث نہیں کرونگا مگر یہ امر واقعہ ہے کہ بعض اوقات لوگوں کے دل غیظ و غضب سے بھڑک اُٹھیں گے اور اختلافات لڑائی بھڑائی کی صورت اختیار کرینگے۔ یہ ہیں وہ مواقع جب آپ کو نماز عید کی یاد تازہ کرنی ہوگی اور سوچنا ہوگا کہ کیا ہم اس رہنمائی کی روشنی سے جو قرآن اور اسلام کی پُر جلال روح نے ہمیں بخشی ہے فتنہ و فساد سے بچ نہیں سکتے؟ ایسے مواقع پر آپ کو یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ ہمارے رسولؐ نے تمام احکام سے بڑھ کر اس حکم کو لازم ولابدّ اور قطعی طور پر قابل عمل قرار دیا ہے کہ ہم سچے دل کے ساتھ اپنے اس فرض کا کامل احساس کریں جو

نوعِ انسان کے ساتھ اُلفت و مواسنت اور رواداری و درگزر کا سلوک کرنے سے متعلق ہے۔

معاشرتی احیاء اور سیاسی آزادی کا آخری اور لازمی انحصار اس پُر معنی اور پُر اثر چیز پر ہے جسے اسلام اور روح اسلام کہتے ہیں محض بڑی بڑی کانفرنسوں اور تقریروں سے سیاسی کام نہیں ہو سکتا۔ نوجوان مجھ سے اکثر پوچھا کرتے ہیں کہ ہم کس طرح ملک کی خدمت کر سکتے ہیں۔ میرے نوجوان دوستو! میں اگر آج کی شب سیاسیات کے متعلق کچھ کہونگا تو وہ صرف ایک کلمۂ نصیحت ہوگا۔ سنئے! دَورِ مستقبل کے ہندوستان میں ہمارے حقوق بھی ہونگے اور مطالبات بھی۔ مگر ہم ان کے متعلق سخت گیری کے ساتھ ضدی اور ہٹیلے نہیں بنیں گے کیونکہ ضد اور ہٹ اس روح الفت و رواداری کی نفی کرتی ہے جو آج عید کے دن ہماری ہے اور جس کی برکتوں کو ہمارے رسولؐ نے شمار کیا اور ہم تک پہنچایا ہے ہم میں سے ہر شخص تہذیب نفس یا محنت کی عادت سے اپنے ملک کی خدمت کر سکتا ہے اور محنت یا ریاضت ہی اس پاک ساعت کی خصوصیت ہے۔ تہذیب نفس کے ضمن میں ہم اپنے آپ سے کچھ اس قسم کے سوال کر سکتے ہیں: میں اپنی عادات میں باقاعدہ ہوں؟ مقررہ وقت پر سوتا ہوں؟ سڑک کی بائیں جانب چلتا ہوں؟ گلی کوچے میں کوڑا کرکٹ پھینکتا ہوں؟ اپنے کام کاج میں دیانت داری اور خلوص کے ساتھ محنت کرتا ہوں؟ جہاں تک ہو سکے دوسروں کی مدد کرتا ہوں؟ لوگوں سے رواداری کا سلوک کرتا ہوں؟

میرے دوستو! بظاہر یہ امور ادنیٰ سے ہیں مگر تہذیب نفس کا بیج یہی ہیں۔ اور جب ہمارے مختلف فرقے اور مختلف مذاہب کے پیرو متحدہ طور پر ہندوستان کی عظمت و شان کیلئے کوشاں ہونگے تو اسی تہذیب نفس کو بیحد کارگر اور کار آمد پائینگے۔ اس خدمت کی نوعیت یہ ہے کہ ممکن ہے آپ کو دنیائے سیاسیات میں شہرت حاصل نہ ہو مگر اس سے آپ کے دلوں میں کیف مسرت اور سکون پائدار پیدا ہوگا۔ کیونکہ آپ کو اطمینان ہوگا کہ آپ نے اپنے حصے کا فرض ادا کر کے مدبرین ملکی اور کارکنان سیاسی کا کام آسان کر دیا۔ مجھے اس مختصر بات چیت کے خاتمے پر جان مارلے کی کتاب

کمپرومائیز (Compromise) رفع داد باہمی یاد آئی ہے۔ عام طور پر میں کتابوں کے متعلق نوجوانوں سے سفارش کرنا پسند نہیں کیا کرتا مگر اس کتاب کی نسبت میں کہونگا کہ آپ اسے ایک بار نہیں بار بار پڑھیں۔ اس میں ایک عمدہ باب رفع داد باہمی کی حدود کے متعلق ہے (یعنی ہم دوسرے کی بات ماننے، اپنی بات منوانے اور اس طرح باہمی رضامندی پیدا کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوسکتے ہیں۔ مترجم) یہ باب ہمیں ایک خاص سبق سچ کی تلاش اور اس پر عامل ہونے کے متعلق سکھاتا ہے؟ اور پھر یہ بتاتا ہے کہ علمی دنیا میں ہمارے اعمال پر کس کس قسم کے حدود اور پابندیاں عاید ہوتی ہیں۔ یہ امور بدرجہ غایت قابل مطالعہ اور لائق غور وفکر ہیں۔

تلاش حق اور اعتقادات کے ضمن میں ہمیں لازم ہے کہ قرآن کریم کے مطالب و معانی صحیح طور پر سمجھیں۔ اگر ہم سچائی کے فدائی ہونگے تو ہم اپنی توفیق کے مطابق اپنے مقصد میں کامیاب ہونگے۔ ہمیں دوران عمل میں اس امر کی کوشش کرنی چاہیئے کہ دوسروں کی حق تلفی کئے بغیر اپنا فائدہ ڈھونڈیں۔ نفع حاصل کریں اور اسی پر قانع رہیں۔ لیکن ساتھ ہی مزید تر حصول کے لئے کوشش بند نہ کردیں۔ ان کو ہمیشہ جاری رکھیں۔ آخر میں میں آپ کو تاکید کے ساتھ کہونگا کہ یہ حقیقت کبھی فراموش نہ کریں یعنی "اسلام ہر مسلمان سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنی قوم کے حق میں اپنا فرض ادا کرے گا۔"

قائد اعظم

کی وہ تقریر جو آپ نے اینگلو عربک کالج دہلی میں مولانا شوکت علی مرحوم کی
تصویر کی نقاب کشائی کے موقع پر ارشاد
فرمائی

حضرات! مولانا شوکت علی مرحوم مستحق خراج تحسین و آفرین ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ مسلمانوں کی خدمت میں صرف کیا۔ ان کی سب سے بڑی اور فی ذاتہٖ عظیم الشان خصوصیت جس نے مجھے متاثر کیا یہ تھی کہ وہ جس راستے کو راہ راست سمجھتے تھے اس پر گامزن ہونے سے سرِ مو انحراف نہ کرتے تھے۔ وہ اسلام کے صادق، مخلص اور وفادار خادم تھے۔ وہ کسی طمع کے سبب اُس راہ سے ایک انچ بھی ادھر اُدھر نہ جاتے تھے جسے انھوں نے اپنے لئے انتخاب کیا ہو۔ ان کے کام کا ڈھنگ بُرا ہو یا بھلا مگر جب وہ ایک بار فیصلہ کر چکتے تھے کہ شوکتِ اسلام کا راستہ یہ ہے تو وہ بے دھڑک ہو کر اس پر چلے جاتے اور نہ رکتے تھے۔

جب اپریل ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کا احیاء عمل میں آیا تو انھوں نے اس ادارے کے ذریعے خدمتِ اسلامیان کا فیصلہ کیا اور آخر دم تک اس پر ثابت قدم رہے اور میں نے انھیں ہمیشہ ایک مخلص اور مؤید رفیق کار پایا۔ اگرچہ مولانا مرحوم آج زندہ نہیں ہیں لیکن میں مایوس نہیں ہوا کیونکہ کام کا ہنوز آغاز ہے۔ بہرحال ہماری جد و جہد چاہے وہ کتنی ہی

مدّت طلب ہو جاری رہے گی - میں چاہتا ہوں کہ ہر مسلمان زن و مرد کو اس صورت حالات کی اصلیت اور ماہیت کا احساس کامل ہو جس سے ہم دوچار ہیں اور ہم دلچسپ مگر بیکار الفاظ اور بے مصرف فقرہ بازیوں سے متاثر نہ ہوں۔

حضرات! آج مولانا ظفر علی خاں نے اپنی تقریر کے دوران میں مولانا شوکت علی مرحوم کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے مسلمانوں کو تاکید کے ساتھ نصیحت کی کہ "وہ ہندوستان کو آزادی دلائیں اور وہ اسی کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں"۔ میرے نزدیک بظاہر یہ خیال خوب ہے۔ مگر اس مسئلہ کی حقیقی اہمیت یہ ہے کہ پہلے ہم خود آزاد ہو جائیں میں پوچھتا ہوں کہ جنگ آزادی کے لئے مسلمانوں کے پاس کون سے اسلحہ اور گولہ بارود ہیں - ہماری قوت کی کیا کیفیت ہے؟ وہ سپہ سالار جو فوج کو صرف قتل ہونے کے لئے میدان میں بھیجے ناکارہ ہے۔

مجھے ہر روز مسلمانوں کے مختلف طبقات کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور میں بلحاظ طرز خیال و تمنائے ترقی ان میں اور ہندوؤں میں حیرت انگیز فرق دیکھتا ہوں فہمیدہ مسلمانوں کے خیالات سطحی ہیں اور یہ لوگ بڑی آسانی سے دلچسپ مگر بیکار الفاظ اور بے مصرف فقرہ بازیوں کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں لیکن ہندو عورتیں اور مرد یہاں تک کہ غیر تعلیم یافتہ بھی جن سے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا مسلمانوں سے کہیں دور آگے نکل گئے ہیں - میں ہندوؤں کا بدخواہ نہیں ہوں - میں خوش ہوں کہ وہ ہم سے زیادہ ساز و سامان رکھتے ہیں - ہم سے بڑھکر مسلح ہیں میں ان سے حسد نہیں کرتا - مگر مسلمان کئی لحاظ سے ہندوؤں سے پیچھے رہ گئے ہیں - آبادی کے پہلو سے ہم کمتر ہیں اگرچہ میں یہ تسلیم نہیں کرتا کہ کسی فرقہ کی آبادی کی کثرت اس کی طاقت کی علامت ہے - بہر حال مسلمانوں کی حالت

یہ ہے کہ وہ مالی لحاظ سے دیوالیہ اور اقتصادی پہلو سے بمنزلہ صفر ہیں۔ اور تعلیمی نقطہ نگاہ سے ابھی زینہ کے پاؤں میں کھڑے ہیں۔ میں آپ کو انتہائی تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر آپ ایک مناسب حیثیت کے طلبگار ہیں تو اس کے لئے آراستہ و پیراستہ ہونا پڑیگا۔ اور استعداد پیدا کرنی ہوگی اور ان مسئلوں کی پیچیدگیوں کا مطالعہ کرنا اور انھیں اچھی طرح سمجھنا ہوگا جو ہمیں درپیش ہیں۔ فخریہ باتیں بیکار ہیں مثلاً یہ کہ مسلمانوں نے اس ملک پر سینکڑوں سال حکومت کی اور ان کو اس وقت بھی حاکم بننے کا حق حاصل ہے۔ ہمیں ضرورت ہے محنت و مشقت کی استقامت کے ساتھ کوشش کی اور فرض اور ذمہ داری کے احساس کی۔ یہ ہے وہ طریق جس سے قوموں کی بنا ڈالی جاتی ہے۔

حضرات! اب دورِ حاضر کے مسئلہ سیاسی کی سنیئے۔ برطانیہ سارے ہندوستان پر حکومت کا خواہشمند ہے۔ مسٹر گاندھی اسلامی ہند کے حاکم بننا چاہتے ہیں۔ ہم طبع سلیم رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو یا یکجا طور پر دونوں کو مسلمانوں پر حکومت نہ کرنے دینگے۔ دنیا بھر کو علم ہے اور برطانوی حکومت نے بھی اپنی ہوشیاری اور تیز فہمی کے سبب سمجھ لیا ہے کہ مسلم لیگ ہی وہ ایک اور اکیلی جماعت ہے جو بجا طور پر اسلامی ہند کی نمائندہ ہے۔ مگر سیوگاؤں کے قرب و جوار میں ابھی سورج نہیں نکلا اور مسٹر گاندھی اندھیرے میں ہیں۔

حضرات! ہماری لیگ کے مالی وسائل بہت کم ہیں۔ اور نگ زیب روڈ بمبئی میں میرا مکان چاہے عالیشان ہی سمجھا جائے مگر میں پوچھتا ہوں کہ لیگ کا دفتر کہاں ہے؟ اور لشکر کہاں؟ لیگ کی طرف سے میرے پاس ایک نائب، ایک ٹائپ رائٹر ہے چمڑے کا ایک تھیلا ہے اور بس! میں اس امر کے خلاف ہوں کہ ہم اپنی مشکلات کو

اصل سے بہت کم تصور کریں لیکن میں یہ بھی واضح کرتا ہوں کہ میری ذہنیت شکست خوردوں
کی ذہنیت نہیں۔ میں اپنی قوم پر کامل بھروسہ رکھتا ہوں۔ اور مشکلات کے باوجود اسلامیان
ہند باقی سب فرقوں سے بڑھ کر سیاسیات کے خوگر ہیں۔ سیاسی فہم و فراست ہمارے رگ
و ریشے میں پیوست ہے اور اسلام کی رہی سہی طاقت ہماری نبض کو حرکت دے رہی ہے
مسلم لیگ اس وقت ایک وسیع ادارہ ہے۔ اس نے مسلمانوں کے لئے ایک مشترکہ حکمت
عملی، ایک جھنڈا، ایک پروگرام (لائحہ عمل) اور ایک پلیٹ فارم (مرکز) مہیا کر دیا ہے۔
میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے اس منظم ادارے کو طاقتور بنائیں۔ جب میں دیکھوں گا کہ مسلم
لیگ کے فیصلوں کے پابند صرف چند مسلمان نہیں بلکہ وہ بحیثیت مجموعی تعمیل حکم کے لئے
تیار ہیں تو میں کوچ کا حکم دے دونگا۔ میں کامل اتفاق رائے پر اصرار نہیں کرتا کیونکہ یہ تو
کسی قوم میں ممکن نہیں لیکن میں یہ اصرار ضرور کرونگا کہ مسلمانوں کی اکثریت پورے استحکام
اور دلی عزم کے ساتھ مسلم لیگ کی اعانت کرے۔ اگر یہ ہو جائے تو میں گولیوں کے
سامنے سینہ تاننے کے لئے بھی تیار ہوں۔ بہر حال کوچ کا حکم دینے سے پہلے میں یہ اطمینان
چاہتا ہوں کہ دشمنوں کو شکست دینے کے لئے معقول مواقع موجود ہیں۔ جد و جہد کے
لئے تیاری پر اصرار کرنا لازم ہے۔ ماہ ستمبر تک انگلستان تیار نہ تھا کہ ہٹلر کا مقابلہ
کر سکے۔ چنانچہ وقت حاصل کرنے کے لئے آسٹریا اور زیکوسلوویکیا قربان کرنے پڑے۔
مسٹر چیمبرلین نے میونک جاکر ہٹلر کی منت سماجت کی۔ اب سب جانتے ہیں کہ مسٹر
چیمبرلین نے معاہدہ میونک اس لئے کیا کہ ستمبر ۱۹۳۸ء میں انگلستان جنگ کے لئے
تیار نہیں تھا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اُس وقت بھی برطانیہ ایک عظیم الشان
طاقت نہ تھی اور اس کے پاس ایک زبردست بحری بیڑہ نہ تھا؟ پھر اُس نے انتظار

کیوں کیا؟ محض اس لئے کہ وہ پوری طرح سے تیار نہ تھا۔ اسی طرح مجھے بھی جب یقین ہو جائے گا کہ مسلمان جد و جہد کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو میں ان کو میدان کارزار کی جانب کوچ کا حکم دونگا۔ اور وہ شخص جو اس وقت اپنی قوم سے غداری کریں گے بندوق کی گولی سے ہلاک کئے جانے کے قابل ہوں گے۔ آج خود مسٹر گاندھی اس امر کے باوجود کہ ان کی مدد کے لئے ایک عظیم الشان اور طاقتور ادارہ موجود ہے۔ وہ غیر محدود وسائل رکھتے ہیں اور ان کو اخبارات کا سہارا بھی حاصل ہے تحریک سول نافرمانی شروع کرنے سے رُکے ہوئے ہیں۔ وجہ یہ کہ وہ ابھی تیار نہیں ہیں اور تیاری کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو میری نصیحت یہ ہے کہ :۔

"آؤ ہم تیاری کریں!"

قائد اعظم

کی وہ تقریر جو آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کے ایک اجلاس
میں ۲۵ر فروری سنہ ۱۹۴۰ء کو ارشاد فرمائی،

[یہ تقریر ان پانچ مطالبوں کے متعلق ہے جو لیگ کی طرف سے مسٹر جناح نے وائسرائے سے کئے۔ دونوں کے مابین مذاکرات ہوئے اور خط و کتابت ہوئی مسٹر جناح اس دوران میں لیگ کی مجلس عاملہ کو وقتاً فوقتاً صورت حالات سے آگاہ کرتے رہے۔ اس پر مجلس عاملہ قرار دادیں منظور کرتی رہی اور ان میں لیگ کا نقطۂ نگاہ ضبط تحریر میں لاتی رہی۔ آخری قرارداد ۳ رفروری ۱۹۴۰ء کو منظور کی گئی۔ جو بتاریخ ۶ رفروری وائسرائے کو بھیجی گئی۔ اس میں بالعموم حکومت کے جوابات کی کیفیت غیر تسلی بخش قرار دی گئی۔ ذیل کی تقریر میں مسٹر جناح لیگ کے مطالبات اور وائسرائے کے جوابات پر روشنی ڈالتے ہیں اور کونسل کو بتاتے ہیں کہ وائسرائے کے آخری فیصلے کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ نیز یہ کہ کونسل ہذا اس اجلاس میں مجلس عاملہ کی قراردادوں کی تصدیق کرے تاکہ ان امور کے متعلق مسلمانوں کو لیگ کی مصدقہ آراء سے آگاہی حاصل ہو۔]

حضرات! ہمارے پانچ مطالبات میں سے پہلا مطالبہ جس کی نسبت قیاس

چاہتا ہے کہ جناب وائسرائے کو غلط فہمی ہوئی ہے' یہ تھا کہ ہندوستانی افواج سے کسی اسلامی مملکت کے خلاف یا ہندوستان سے باہر کام نہ لیا جائے۔ اس کے یہ معنی نہ تھے کہ یہ افواج دفاع ہند کے لئے مصروف کار و پیکار نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی طاقت ہندوستان پر حملہ آور ہو تو افواج ہند کا فرض ہے کہ سرحدوں کی حفاظت کرنے کے لئے لڑے۔

ہمارا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے جناب وائسرائے ایک صاف اور واضح اعلان کریں کہ قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء قطعی طور پر منسوخ کیا جائیگا اور اس تجربہ کی روشنی میں جو گزشتہ اڑہائی سال کے اندر قانون ہٰذا کے آئین کے عمل دخل سے حاصل ہوا ہے یا جو آئندہ حاصل ہو گا۔ آئینی اصلاح کی ساری تدبیر پر از سر نو غور کیا جائے گا۔ حضرات! جناب وائسرائے نے اس مطالبہ کا تسلی بخش جواب دیا اور یقین دلایا ہے کہ نہ صرف قانون ۱۹۳۵ء کا بلکہ اس حکمت عملی اور ضرورتوں اور تجویزوں کا بھی امتحان کیا جائے گا جن پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

ہمارا تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ آئین ہند کے متعلق کوئی ایسا اعلان یا قانون قبول نہ کریں گے جس کے لئے ان کی رضامندی حاصل نہ کی جائے۔ نیز یہ کہ اس کے ضمن میں عارضی طور پر اور دوران جنگ کے لئے بھی کوئی سمجھوتہ کسی پارٹی کی دھمکیوں اور حاکمانہ فرمائشوں کے سبب نہیں ہونا چاہیئے' چاہے یہ پارٹی کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے سمجھوتہ کے لئے مسلمانوں کی رضامندی پہلے حاصل کر لی جائے۔ اس معاملے کی نسبت جناب وائسرائے نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ ملک معظم کی حکومت کو مسلمانوں کی منزلت اور اہمیت کا کامل احساس ہے اور کوئی سمجھوتہ جس میں وہ نظر انداز کئے جائیں بعید از فہم ہے۔ حضرات!

میرے نزدیک یہ بیان تسلی بخش نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں مسلمانوں کے لئے صرف مشورے اور سفارش کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ حالانکہ مسلمان اپنے انجام اور قسمت کے متعلق خود ہی آخری اور قطعی فیصلہ کرنے کے خواہشمند ہیں۔

حضرات! ہمارا چوتھا مطالبہ عربوں کے مسئلہ کے متعلق تھا۔ لیگ تاکیداً کہتی ہے کہ اس معاملہ کے طے کرنے میں محض کوششیں ناکافی ہیں۔ اس لئے حکومت برطانیہ کو لازم ہے کہ عربوں کی تسلی و تشفی کے مطابق فی الفور کوئی پائدار بندوبست کرے۔

حضرات! ہمارا پانچواں اور آخری مطالبہ کانگرسی وزارتوں کے صوبوں میں مسلمانوں کی شکایات اور تکالیف کے متعلق تھا۔ یہ درست ہے کہ ان وزارتوں کی عدم موجودگی میں گورنر جنرل کوئی دخل نہیں دے سکتا مگر اس سوال کے دو پہلو غور طلب ہیں اول یہ کہ ہم نے نہایت اچھی طرح سے یہ بات واضح کر دی تھی کہ کانگرسی حکومت کے صوبوں میں مسلمانوں پر ظلم کیا گیا تھا اور لیگ کے اراکین بالخصوص نشانہ تیر ستم بنائے گئے تھے۔ کانگرس ہائی کمانڈ (کانگرس کے مختاران مطلق) نے ان بیانات کو جھوٹا قرار دیا مگر ان کی تحقیقات کیلئے ایک عدالت کے تقرر پر اظہار رضامندی کیا۔ یہ ایک بیہودہ تجویز ہے جس کی وجوہات بیان کی جا چکی ہیں اس کے مقابلہ میں میں نے ایک شاہی مجلس تحقیقات کے تقرر کی پیشکش کی جو برطانوی ہائیکورٹ کے دو جج صاحبان اور (بطور صدر مجلس) شاہی کونسل (پریوی کونسل) کے ایک لارڈ پر مشتمل ہو۔ اس قسم کی عدالت کو ہمارے ملک کی زہریلی فضا سے کوئی واسطہ نہ ہوگا اور اسے حلفیہ شہادتیں لینے اور لوگوں کو ضروری کاغذات پیش کرنے پر مجبور کرنے کے اختیارات بھی حاصل ہونگے۔ انصاف کا واحد وسیلہ یہی ہے۔ مگر کانگرس نے میری تجویز کو بدیں وجہ سر بائے استحقار سے ٹھکرا دیا کہ یہ تو امداد ملک غیر کے آگے ہاتھ پھیلانے کے برابر ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ خود کانگرس نے جب سر مارس گوائر (چیف جج فیڈرل کورٹ آف انڈیا) کو اس تحقیقات کے لئے تجویز کیا تھا تو گویا اس خیال سے کہ یہ صاحب "سودیشی" ہیں

اور انھوں نے واردھا میں جنم لیا تھا۔ الغرض ہم اس مطالبہ کا تکرار کرتے ہیں۔ اس معاملہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ آیا کانگرس کے مختاران مطلق کی محکوم وزارتیں ایک بار پھر برسر حکومت ہوں؟ یوم نجات کے مظاہروں نے یہ حقیقت اچھی طرح واضح کر دی ہے کہ جملہ غیر کانگرسی جماعتیں اور طبقے ان کانگرسی حکومتوں کے خلاف ہیں۔ ان میں ہندو مہا سبھا کے ہندو بھی شامل ہیں اور یوم نجات کے جلسوں میں ان سب نے ہمارے ساتھ مل کر لیگ کے پلیٹ فارم پر دعائیں مانگیں۔

حضرات! اب میں اقلیتوں کی حفاظت کے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ آپ اور آپ کی لیگ کا اہم ترین کام یہی ہے کہ اقلیتوں کے حقوق کامل طور پر قانوناً محفوظ ہوں اور ان کے جملہ جائز مطالبات پورے کئے جائیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ حال میں مسٹر گاندھی نے سکھر کے ہندوؤں کو نصیحت کی کہ وہ بلا تشدد اور اگر ضرورت ہو تو تشدد سے اپنی حفاظت خود کریں۔ انھوں نے مسلمانوں کو بھی یہی رائے دی۔ اس پر عمل کرنے کے معنی یہ ہونگے کہ اقلیتوں کو غیر سرکاری (پرائیوٹ) افواج پر انحصار کرنا ہوگا کیونکہ حکومت ان کی حفاظت سے قاصر ہے۔

حضرات! یوں تو کانگرس کے خلاف ہماری شکایات کے لئے ایک دفتر درکار ہے مگر بالخصوص دو امور مسلمانوں سے کوشش موفور کا تقاضا کرتے ہیں۔ ایک تو "اسلامیان ہند کی حیثیت بطور قوم" اور دوسرے ہماری منزل مقصود۔ یعنی یار و اغیار یا یوں کہئے کہ ہندو اکثریت اور برطانوی حکومت دونوں سے آزادی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کے لئے مسٹر گاندھی نے جو کوششیں ۱۹۲۵ء سے اس وقت تک کی ہیں ان کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ کبھی تو ان کو روشنی نظر آتی ہے اور کبھی اندھیرا چھا جاتا ہے مگر مسئلہ کی اصلیت کبھی دکھائی نہیں دیتی۔ وہ کہتے ہیں کہ اتحاد مابین ہندو مسلم کے لئے لیگ کو لازم ہے کہ ہندو مہا سبھا کے ساتھ مذاکرات کرے۔ میں پوچھتا ہوں کہ پھر کانگرس کس کی نمائندہ جماعت ہے؟

کیا مسلمانوں کی بھی؟ میں کانگرس اور مسٹر گاندھی کو کہونگا کہ وہ اس امر کا کامل احساس کرلیں کہ مسلمان ایک اقلیت نہیں ہیں بلکہ ایک ممیّز قوم - اس کے خلاف کانگرس جو کچھ کہتی ہے غلط ہے - ایک فریب ہے - جس کا مقصد مسلمانوں کو مطیع بنانا ہے تاکہ وہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائیں - مگر ہماری منزل مقصود کچھ اور ہے جس کی نسبت کانگرس کہتی ہے کہ ہم ابھی تک اسے نہیں سمجھے - میں عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اب بھی نہیں سمجھے تو قیامت تک نہیں سمجھیں گے بات بالکل سیدھی ہے - برطانوی چاہتے ہیں کہ ہم ہندوستان پر حکومت کریں - مسٹر گاندھی اور کانگرس کی خواہش ہے کہ ہم ہندوستان اور ہندوستانی مسلمان دونوں پر حکومت کریں - ہم کہتے ہیں کہ برطانیہ یا مسٹر گاندھی اور کانگرس کے محکوم ہرگز نہ بنیں گے - ہم آزاد ہونا چاہتے ہیں مگر ہمیں حصول آزادی کے لئے اپنی تنظیم کرنی چاہیئے - یہ ہے ہم اراکین لیگ کا پیغام اسلامیان ہند کے نام - آپ اسے ہر مسلمان تک پہنچائیں - اور اس امر کی تشریح بھی کریں کہ اس کا مفہوم و منشا کیا ہے اور لیگ کس چیز کی علمبردار ہے -

---

قائداعظم

کی وہ تقریر جو آپ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اجلاس منعقدہ ۶ مارچ ۱۹۴۰ء

کو ارشاد فرمائی

"قائد اعظم کے حسب ذیل ارشادات اس لحاظ سے نہ صرف مسلمانوں کیلئے بلکہ ہندوؤں کے لئے بالخصوص توجہ طلب ہیں کہ خود وہ اصلاحات آئینی جو لارڈ مارلے وزیر ہند اور لارڈ منٹو وائسرائے کے وقت میں قرار پائیں۔ اس حقیقت کو ثابت کرتی ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت بطور ایک قوم ہے نہ کہ اقلیت۔ اسلامی قومیت کے مخالف ان اصلاحات کو اپنے اس دعوٰی کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے معاہدہ لکھنؤ پر صاد کر کے اپنے آپ کو ایک اقلیت ٹھہرایا۔ قائد اعظم دلائل قاطع سے اس کے خلاف ثبوت دیتے ہیں۔ اس تقریر کا دوسرا اہم جزو "بزم باشندگان" یا "کنسٹیچو اُنیٹ اسمبلی" کی بحث ہے Constituent لغت میں "جزو" یا "حصہ" کو کہتے ہیں یعنی وہ تمام اجزا یا حصص جس پر کوئی چیز مشتق ہو ہندوستان کے آئندہ آئین کے لئے ایسی مجلس کے تقرر کی تجویز کی جا رہی ہے۔ جس میں نہ صرف بڑے بڑے طبقات اور جماعات اور مجالس کے نمائندے ہوں بلکہ ملک کے جملہ

بالغ باشندے اپنے نمائندے انتخاب کریں اور ان پر مجلس مذکور مشتمل ہو۔ غرض منصبی کے لحاظ سے اس مجلس کو "مجلس آئین ساز" کہنا بھی مراداً درست ہے اس تشریح کے بعد مطالب کا مفہوم سمجھنا آسان ہو جانا چاہیئے۔ یہاں اُسی آسانی کو مدنظر رکھ کر مجلس ہذا کا ذکر مجلس باشندگان کے نام سے کیا جائے گا۔"

حضرات! اصلاحات منٹو مارلے کے زمانے سے اکثر و بیشتر اشخاص نے یہ فرض کر رکھا ہے کہ مسلمانان ہند کی حیثیت بطور ایک اقلیت ہے اور اس لئے ان کو اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے تحفظات کی حاجت ہے۔ مگر جب ہم مسلمانوں نے یہ اصطلاح (اقلیت) استعمال کی تو ہماری مراد یہ نہ تھی۔ بلکہ ہمارے ذہن میں قطعی طور پر ایک مختلف چیز کا تصور تھا یعنی ہم ایک جُدا سیاسی "وجود" ہیں جس کی ہستی کا قائم رکھنا لازم ہے۔ جداگانہ حلقہائے انتخاب کی منظوری کو مسلمانوں کے اسی دلی احساس کا نشان سمجھنا چاہیئے۔ معاہدہ لکھنؤ پر اسی مقصود ذہنی اور یقین دلی کے ساتھ دستخط کئے گئے۔ چنانچہ قرار پایا کہ دو قطعاً جدا اور ایک دوسرے سے اہم ترین امتیاز رکھنے والی ہستیاں باہمی قول و قرار کر رہی ہیں۔ مگر بدقسمتی سے ہندوؤں نے اس کا مطلب کچھ اور ہی سمجھا اور خیال کیا کہ مسلمان محض ایک اقلیت ہیں جس پر ہندو اکثریت کو حکومت کرنی چاہیئے۔ مسلمانوں کو ہمیشہ دھوکا دے کر اپنی حفاظت اور سلامتی کا فاسد یقین دلایا گیا اور اقلیت کی اصطلاح نے تاریخی، آئینی اور قانونی رنگ اختیار کیا۔ مسلمان کسی طرح سے بھی یورپی اقلیتوں کے مانند نہیں۔ جب موجودہ اصلاحات مرتب ہو رہی تھیں تو مسلمانوں نے سندھ کی علیحدگی اور شمال مغربی صوبے کے لئے درجہ مساوات کا مطالبہ کیا مگر ہندوؤں نے اور کانگرس نے اس کی شدید ترین مخالفت کی۔ ہم چاہتے تھے کہ ہمیں

کم سے کم ان علاقوں میں جہاں ہماری اکثریت ہے قطعی طور پر اختیارات واقعی حاصل ہوں۔ ایک موقع پر جب یہ امر زیر بحث تھا مولانا محمد علی کانگرس کے بیگانہ دلیل رویہ سے متنفر ہو گئے اور بے اختیار ہو کر پکار اٹھے کہ "میں اس امر پر اصرار کرتا ہوں کیونکہ کراچی سے کلکتہ تک علاقہ میرا ہے"۔ بہرحال یہ حقیقت اب تو بالکل عیاں ہو گئی ہے کہ ہم ایک ممیز اور مستحکم و استوار قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں بارہا اس کا اعلان کر چکا ہوں مگر تھوڑے دن ہوئے جب میں نے مسٹر گاندھی کو ایک خط میں یہ بات لکھی تو انھوں نے کہا کہ "اتحاد مابین ہندو و مسلم کے متعلق میری ساری اُمیدوں کا قلع قمع ہو گیا"۔ اب سوال یہ ہے کہ اس اتحاد اور ان امیدوں سے ان کا مطلب کیا ہے اور مدعا کیا؟ میری رائے میں ان کا مقصد مسلمانوں کو تابع فرمان بنانا اور ہندو راج کی حکومت میں لانا ہے۔ چونکہ میں اپنی تمام قوت سے اس کا مقابلہ کرتا ہوں۔ اس لئے ملک کا بدترین اور مستحق نفرین مسلمان سمجھا جاتا ہوں۔ اگر میں مسٹر گاندھی کا سدّراہ نہ ہوتا اور انھیں اجازت دیتا کہ جس طرح چاہیں مسلمانوں کی نسبت طریق عمل اختیار کریں۔ تو آج ہمارے حق میں اس سے بڑھ کر کوئی آفت اور تباہی نہ ہوتی اور دنیا نہ دیکھتی کہ کس طرح ہم کھلے طور پر اور آزادی کے ساتھ بعض قطعی اور واضح امور فیصلہ طلب کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں۔ بہت سے لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اس وقت تک کوئی قرارداد کیوں نہیں ہوئی؟ میرا جواب یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کی شرائط پر کوئی فیصلہ اور سمجھوتہ ممکن نہیں اس کے لئے کامل مساوات لازم ہے۔ ہمیں اس ملک پر حکومت کرنے کا اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا ہندوؤں کو۔ ہم نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین مستقل تصفیہ کے خلاف کبھی دشمنی کا رویہ اختیار نہیں کیا۔ صوبائی حکومتوں پر قبضہ پا لینے کے بعد کانگرس نشۂ اختیار سے سرشار ہو گئی

اور سارے ہندوستان پر فوقیت حاصل کرنے کے خواب دیکھنے لگی۔ مگر کانگرس کے مختاران مطلق اپنے طریق عمل سے خود ہندوؤں کا نقصان کر رہے ہیں۔

دو سال ہوئے میں نے شملہ میں کہا کہ ہندوستان کیلئے پارلیمانی جمہوری نظام حکومت غیر موزوں ہے اس پر کانگرسی اخبارات نے میرے خلاف طعن و تشنیع سے کام لیا اور مجھے بتایا کہ "تم اسلام کو نقصان پہنچانے کے مجرم ہو کیونکہ وہ جمہوریت کی تلقین کرتا ہے"۔ مگر جہاں تک مجھے اسلام کا علم ہے وہ ایسی جمہوریت کی وکالت نہیں کرتا جو غیر مسلم اکثریت کو مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا اختیار دے۔ ہم کوئی ایسا نظام حکومت قبول نہیں کر سکتے جس کی رُو سے ایک غیر مسلم اکثریت محض تعداد کی بنا پر ہم مسلمانوں پر حکومت کرے اور ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ اگر آپ کو جمہوریت ناپسند ہے تو خواہشمند کس چیز کے ہیں، کیا فاسیئت یا نازیئت یا آمریت درکار ہے؟ میں کہتا ہوں کہ جمہوریت کے ان فدائیوں اور حامیوں نے کیا کر کے دکھایا ہے؟ انھوں نے چھ کروڑ بندگان خدا کو اچھوت بنا رکھا ہے اور ایک ایسا نظام قائم کیا ہے جو سوائے "فاسیتی مجلس اعظم" (گرینڈ فیسسٹ کونسل) کے کچھ نہیں۔ ان کا آمر (ڈکٹیٹر) کانگرس کا چار آنے چندہ دینے والا ممبر بھی نہیں۔ یہ لوگ بیجان وزارتیں قائم کرتے ہیں جو مجلس قانون ساز یا رائے دہندگان کی بجائے مسٹر گاندھی کے مقرر کردہ مختاران مطلق کے سامنے جواب دہ تھیں۔ مزید برآں جمہوریت کی عام کیفیت تو یہ ہے کہ خود ارض مغرب کی مختلف ممالک میں بھی اس کے مختلف نمونے پائے جاتے ہیں۔ اس لئے میں قدرتاً اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان کیلئے جہاں حالات مغربی ممالک سے کلیتہً مختلف ہیں یہ نام نہاد جمہوریت قطعاً غیر موزوں ہے اور اسی طرح برطانیہ کا نظام حکومت بھی بیکار ہے جس کا امتیاز خصوصی یہ ہے کہ پارلیمان کے اراکین پارٹیوں یا فریقوں میں منقسم ہوں۔

اب میں موجودہ صورت حالات پر نگاہ ڈالتا ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ آغاز جنگ میں جب

مسٹر گاندھی وائسرائے سے ملنے گئے تو ویسٹ منسٹر ایبے اور ایوانہائے پارلیمان کی تباہی کا تصور کر کے بدرجہ اشد بیقرار ہو گئے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اور فرمایا کہ اگر انگلستان اور فرانس کو شکست ہوئی تو ہندوستان کی آزادی سے کیا حاصل؟ انھوں نے یہ بات اپنے اس یقین کی بنیاد پر کہی کہ اگر برطانیہ ہندوستان سے رخصت ہو گیا تو ان کو آزادی حاصل نہ ہو سکے گی۔ مگر سیوگاؤں پہنچتے پہنچتے ان کا یہ خیال بدل گیا اور انھوں نے یک قلم یہ مطالبہ کیا کہ ہندوستان کی آزادی کا اعلان کیا جائے اور "کنسٹیچوانیٹ اسمبلی" مجلس باشندگان طلب کی جائے۔ اس کی بنیاد جملہ باشندگان بالغ کو حق رائے دہندگی دینے پر رکھی جائے اور یہ مجلس ہندوستان کے لئے ایک آئین مرتب کرے جس میں مستند اور جائز طور پر مستحق اقلیتوں کیلئے بعض خاص تحفظات شامل ہوں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین مستقل تصفیہ کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے کے بعد مسٹر گاندھی کو مجلس باشندگان کا یہ نیا خیال سوجھا۔ انھوں نے اسے غنیمت جانا اور دعویٰ کیا کہ یہی ہے وہ شے جو ہندوستان کے ہر درد کا دارو ثابت ہو گی۔

میں کہتا ہوں "فرض کیجیے کہ اس سے اقلیتیں مطمئن نہ ہوئیں تو پھر کیا کیا جائیگا؟" اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ "اس کا فیصلہ ایک عدالت عظمیٰ کے ہاتھ میں دیا جائیگا"۔ مگر یہ مسئلہ تو معاشری معاہدے کا ہے کروڑہا اشخاص کے نئے تعمیر آئین کا ہے اس کی نسبت کوئی عدالت قانونی فیصلے کی مجاز نہیں۔ اس پر دیگر اعتراضات بھی وارد ہوتے ہیں۔ فرض کیجیے کہ عدالتی فیصلہ ہو گیا اسے عمل میں کون لائیگا اور عدالت کا حکم لوگوں سے کون منوائیگا؟ حقیقت یہ ہے کہ اہل کانگرس اسے اپنے اصلی ارادوں پر پردہ ڈالنے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ کسی غیر ملکی حکومت کو کہنا کہ مجلس باشندگان طلب کرے اور اس مجلس کے مرتبہ آئین کو جامہ عمل پہنائے اور پھر ملک سے نکل جائے تاریخ اور سیاست کے لحاظ سے ایک بیہودہ تجویز ہے۔ ایک "مجلس باشندگان" صرف اسی وقت وجود میں آسکتی ہے جب کہ اہل ملک نے شاہی اختیارات پر قبضہ پا لیا ہو۔ پھر کچھ عرصہ بعد مسٹر گاندھی نے اپنے مطالبہ میں ردوبدل کر دیا۔ اور کہا کہ "اس مجلس کے برابر کا کوئی بدل ہو تو میں مطمئن ہو جاؤں گا"۔ مگر اس امر کا فیصلہ کون کریگا کہ

"برابر کا بدل کیا ہو"۔ مسٹر راجگوپال اچاریہ کہتے ہیں کہ صوبائی مجالس قانون ساز کے تازہ انتخابات ہوں اور ان کے جملہ اراکین پر مجلس باشندگان "مشتمل ہو" مسٹر ٹیل ان سے بھی بازی لے گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ صوبائی مجلس کے موجودہ اراکین ہی اس مجلس کے ممبر ہوں مگر مونجے اور ساورکر اس پر رضامند نہیں کیونکہ ان کی آواز کو موجودہ مجالس میں دخل نہیں، کیا یہ سب حضرات یہ باتیں سنجیدگی سے کر رہے ہیں؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان کا مدعا برطانوی حکومت کو تنگ کرنا اور اس سے جبراً کچھ لے مرنا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ برطانوی حکومت یہاں سے نکل بھاگے بلکہ چاپلوسی، دھمکی اور مجبوری سے دب جائے اور انھیں ایک ایسی چیز دے ڈالے جسے وسیلہ بنا کر وہ برطانوی حفاظت کے زور سے مسلمانوں کو محکوم بنائیں۔ ان امور کے پیش نظر مسلم لیگ کیلئے صورت حال کیا ہے؟ ہمارے دائیں بائیں دو آفتیں ہیں برطانویوں کو کہاں کی جلدی پڑی ہے کہ وہ ہندوؤں یا مسلمانوں کے حوالے حکومت کر دیں وہ اپنے مطلب کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا کہ برطانوی حکومت اعلانات شایع کرے۔ اور یہ چیخ پکار بھی بے مصرف ہے کہ ہمیں آزادی دیدیے برطانوی یہ کام کبھی نہیں کرینگے۔ برطانوی حکومت کے ہر اعلان میں آپ ہمیشہ کوئی نہ کوئی رخنہ پائیں گے۔ اس کے مقابلہ میں ہم ایک صاف اور قطعی مطالبہ پیش کرتے ہیں یعنی قانون ۱۹۳۵ء از سر تا پا منسوخ کیا جائے اور آئین ہند کے مسئلہ کا امتحان اس ناکارہ صوبائی خود مختاری کے تجربہ اور آئین کی ترتیب سے پہلے پیش آنے والے حالات کی روشنی میں از سر نو کیا جائے۔ اس کے متعلق بعض تشریحات ابھی سے موجود ہیں۔ جناب وائسرائے کہتے ہیں کہ "میرے اعلان میں یہ بات شامل ہے کہ اس برطانوی حکمت عملی اور تجویز و تدبیر کا از سر نو امتحان کیا جائیگا جس پر آئین مبنی ہوگا"۔ بیشک اس نیائے معاملہ پر بحث ہوگی مگر اندریں عرصہ برطانوی حکومت کو اس مصروفیت سے فرصت ہی نہیں کہ مسٹر گاندھی اور کانگریس کو تخیلات کے آسمان سے اترنے اور واقعیت کی زمین پر آنے کیلئے آمادہ اور راغب کریں۔ جہاں تک ہمیں دخل ہے ہم اس مسئلہ کو واقعات اور حقائق کی رو سے حل کرنے کو حاضر ہیں۔ مگر ہمیں بعض سچے خدشے لاحق ہیں۔ ہمیں خوف ہے،

کہ برطانوی حکومت ایک بار پھر مسٹر گاندھی کو یہ موقع دے دیگی کہ وہ مسلمانوں کو تابع فرمان بنانے اور فنا کر دینے کے لئے اپنی تدبیر برکاربند ہوں۔ میں امکانی اصرار اور زور سے کہتا ہوں کہ برطانوی حکومت اگر کانگریس کے ساتھ آج کل یا کچھ دیر بعد کوئی ایسا تصفیہ کریگی جو مسلمانوں کے حق میں ضرر رساں ہو تو ہم اسے ہرگز قائم نہ رہنے دیں گے۔ اگر ہمارا خوف درست ثابت ہوا تو جملہ اشخاص و جماعات متعلقہ کو خبردار رہنا چاہئے کہ مسلمان اس قسم کے تصفیہ کا مقابلہ کرنے میں اپنے تمام وسائل استعمال میں لائیں گے اور اسے لاشئے بنا کر رہیں گے۔ کسی دوسرے شخص پر انحصار کرنا بیکار ہے ہمیں اپنے آپ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ میں ہر شخص کا دوست بننے پر رضامند ہوں مگر انحصار صرف ذاتی قوتوں پر کرونگا۔ اس وقت تک مسلم لیگ نے معقول کام کیا ہے مگر ابھی اس کا آغاز ہی ہے۔ آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس وقت ہندوستان میں بھی فی الحقیقت جنگ ہی ہو رہی ہے۔ میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ شانہ بشانہ کھڑے ہو جائیں اور مسلم لیگ کے ساتھ مل کر کام کریں۔ ایک مستحکم اور مضبوط پیکر فولاد کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہئے۔ اپنی قوم کی تنظیم و تربیت کیجئے اور ان کو ادب و تادیب کا خوگر اور عادی بنائیے ہماری قوم ہمارے ساتھ ہے۔ آپ رکاوٹوں سے پراگندہ خاطر نہ ہوں۔ ہاں مسلمانوں کو منظم اور یکجا کریں۔ اور فوجی قواعد کی طرح پابند بنائیں۔ اس طرح آپ ان کو ایک ایسے حیرت افزا لشکر سیاسی میں تبدیل کر لیں گے جسے چشم ہند نے کبھی نہیں دیکھا۔ اس طرح ہم جلد تر آزادی کی منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔

قائداعظم

کی تقریر جو آپ نے بہ اجلاس عربک کالج سٹوڈنٹس یونین دہلی منعقدہ نومبر ۱۹۴۰ء میں ارشاد فرمائی

"آغاز جنگ سے کانگریس گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی رہی ہے البتہ اس کا مقصد واحد ہمیشہ یہی رہا ہے کہ جس طرح بھی ہو مسلمانانِ ہند اور ملک کی اقلیتوں پر اپنا سکہ بٹھائے۔ جنگ نے کانگریس کو متعدد مواقع دیئے کہ مختلف النوع طریق کار اختیار کرے ان میں سے انفرادی ستیہ گرہ کی مہم تھی جس پر نومبر ۱۹۴۰ء میں عمل شروع کیا گیا۔ اس کی بنیاد آزادی تقریر کے حق پر رکھی گئی حالانکہ جنگ کی صورت میں کوئی مہذب حکومت چاہے وہ کتنی ہی آزاد خیال کیوں نہ ہو خود اپنی قوم کی بھی زبان ایک حد تک بند کر دیتی ہے پھر یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ حکومت برطانیہ نہ صرف آزادی تقریر قبول کرے بلکہ کانگریس کے مطالبے کے موافق اس امر کی بھی اجازت دے کہ تقریروں کے ذریعے لوگوں کو عدم شمولیت جنگ پر آمادہ کیا جائے۔ قائد اعظم نے اس تقریر میں کانگریس کی بہانہ سازیوں اور اس کے اصلی مقاصد پر روشنی ڈالی ہے۔"

حضرات! کانگریس کے جنگی مقاصد پر بحث کرنے سے پہلے مجھے اس خوشگوار حقیقت سے آپ کو آگاہ کرنا ہے کہ گزشتہ تین سال میں مسلم لیگ قوی سے قوی تر ہوتی چلی گئی ہے مگر اسی نسبت سے اس کی ذمہ داری بھی بڑھ گئی ہے اب اس سے عہدہ برآ ہونا آپ کا فرض ہے۔ آپ اسے کچھ اس خوبی سے ادا کریں کہ مسلم لیگ روز بروز بیش از بیش طاقتور اور بارسوخ ہوتی جائے اور کامیابیوں پر کامیابیاں اس کا حصہ ہوں تا آنکہ ہم اپنی منزل مقصود کو جا لیں آپ کو یہ بھی لازم ہے کہ نہ صرف اپنی طاقت کا احساس کریں بلکہ اپنی ہر خامی اور ہر کمی سے آگاہ رہیں اور ایسی تعمیری

کوششیں کام میں لائیں جن سے خامیاں دور ہوں اور قوت میں اضافہ۔

حضرات! اب میں کانگریس کے جنگی مقاصد اور برطانوی حکومت سے اس کی مخالفت کو توجہ دیتا ہوں۔ کانگریس اس امر کی مدعی ہے کہ "ہماری سول نافرمانی حصول آزادی ہند کیلئے ہے"۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ آیا یہ دعویٰ واقعی درست ہے؟ کچھ بہت مدت نہیں ہوئی کہ مسٹر گاندھی نے گزشتہ سال بتاریخ ۲۹ اکتوبر ایک مضمون میں لکھا تھا کہ "اگر آج ہندوستان سے برطانوی چلے جائیں تو شمال کی طرف سے پنجابی اور ساتھ ہی گورکھے ملک میں تگ و تاز کرنے لگیں"۔ مگر پنجابیوں سے ان کی اصلی مراد مسلمان تھے۔ مسٹر گاندھی نے یہ بھی لکھا کہ اگر کوئی جماعت ہندوستان میں برطانوی فوقیت کی خواہشمند ہے تو وہ کانگریس ہے۔ جو جملہ باشندگان ہند کی نمائندہ ہے اور ان کی مستند انجمن۔

حضرات! میں یہ دعویٰ درست ماننے کے ناقابل ہوں کہ اہل ہنود اور کانگریس ہندوستان کی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تحریک سول نافرمانی کیوں جاری کی گئی ہے۔ اس کا مقصد ہے برطانوی حکومت کو مجبور کر کے اس سے یہ منوانا کہ کانگریس ہی وہ ایک اور اکیلی جماعت ہے جو تمام باشندگان ہند کی نمائندگی کرتی ہے اور اسی کو اس کا حق اور اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ برطانوی حکومت کو مخاطب کر کے کانگریس یہ کہتی ہے کہ "ہمارے ساتھ قول و قرار اور تصفیہ کر لو۔ ہم تمہارے دوست ہیں ہم تمہاری فوقیت اور حکومت قائم رکھنا چاہتے ہیں پس ہمارے ساتھ صلح کی شرائط طے کرو اور مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو نظر انداز کر دو"۔

حضرات! آزادی ہند کے لئے کانگریس کی کوششوں کی ضمن میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے جو نہ صرف کانگریس کی مجلس مختاران مطلق (کانگریس ہائی کمان) کے ایک رکن ہیں بلکہ مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے لیڈر بھی ہیں مسلمانوں اور غیر کانگریسی ہندوستانیوں سے یہ اپیل کی ہے کہ "آپ ہماری راہ میں رکاوٹیں نہ ڈالیں اور کانگریس کو اپنی رائے اور طریق کے مطابق ہی آزادی کی لڑائی لڑنے دیں"۔ مگر میں ان سے پوچھتا ہوں کہ حکومت برطانیہ کے خلاف کانگریس کے جنگی مقاصد کیا ہیں۔ ہمارے علم و یقین کے مطابق تو یہی کہ جہاں تک ممکن ہو برطانوی حکومت پر دباؤ ڈالا جائے اور اسے مجبور

کیا جائے کہ وہ ہم مسلمانوں کو مجبور کرے اور ہمارے ساتھ وعدہ خلافی کرکے ہمیں بھیڑیوں کے آگے ڈال دے۔ یہ ہے کانگریس کا جنگی مقصد۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اس فریبندہ حکمت عملی سے کیا حاصل ؟ ہم تو دھوکا نہیں کھائیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس کی ساری حکمت عملی اس چمگادڑ کی حرکات کی طرح ہے جو کسی کمرے میں داخل ہوگئی ہے اور چاروں طرف چکر لگاتی اور دیواروں سے ٹکراتی ہے مگر یہ دیکھنا نہیں چاہتی نہ دیکھ سکتی ہے کہ دروازہ بالکل کھلا ہے۔ اس لئے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کانگریس کی تحریک کو خاطر جمعی سے دیکھیں۔ ہمیں لازم ہے کہ اس پر سخت تشویش کے ساتھ نگاہ ڈالیں۔ میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ "براہ کرم اس خوفناک حالت میں جس کی ذمہ دار فقط کانگریس ہے نہ دخل دیں نہ پھنسیں مگر میں یہ ضرور کہونگا کہ اگر حالات نے ہمارے اغراض و مفاد کے خلاف رنگ اختیار کیا تو ہم محض تماشائی حاضرین نہ ہونگے۔ بلکہ ضرورت پڑی تو اپنا فرض ادا کرینگے اور دخل دینگے۔ اس تنبیہ کو ہر شخص خوب سمجھ لے"۔

حضرات! مسلمانوں کو اپنا آلۂ کار بنانے کے لئے کانگریسی لیڈر اخبارات میں اکثر اوقات بیانات شایع کرتے رہتے ہیں مگر ان سے ان کو کوئی مدد نہ ملیگی۔ وہ کہتے ہیں کہ "ہم مسٹر جناح کو یا مسلم لیگ کے کسی اور نامزد شخص کو حکومت ہند کا وزیر اعظم بنانے کے لئے تیار ہیں مسلمان چاہیں تو تمام اختیارات پر قابض ہو جائیں ہمیں ان کی خواہش نہیں۔ ہم برطانوی حکومت کے بجائے مسلم حکومت قبول کرنے کو تیار ہیں"۔

حضرات! آپ ہی بتلایئے کیا اس بیان پر کوئی ہوشمند آدمی جس کے دماغ میں عقل و تمیز کا شمہ بھی ہو یقین کرسکتا ہے ؟ نہیں ہرگز نہیں۔ مسلمان بالغ ہوگئے ہیں۔ سیانے ہوگئے ہیں۔ ان میں آج سے تین برس پہلے کی بہ نسبت فرق آگیا ہے۔ کامل فرق، بنیادی فرق، زمین و آسمان کا فرق۔ اور مجھے یقین ہے۔ ایسا ہی یقین جیسا اس وقت اپنے زندہ ہونے کا کہ آج سے پانچ برس بعد یہ فرق اور بھی بڑھ جائیگا۔

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے بمقام دہلی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی پہلی کانفرنس
کی رسمِ افتتاح کے موقع پر نومبر ۱۹۴۰ء کو ارشاد فرمائی۔

حضرات! ہم مسلمانوں کا پختہ خیال ہے کہ موجودہ جنگ کے سبب نہ صرف برطانیہ بلکہ ہندوستان بھی خطرے میں ہے۔ ہماری حالت ہی ایسی ہے کہ اگر برطانیہ نے نیچا دیکھا اور برطانوی حکومتِ ہند درہم برہم ہو گئی تو ہم سب بھی یقیناً سخت خطرے میں پڑ جائیں گے علاوہ بریں دیگر وجوہات سے قطع نظر کرنے پر بھی ہم نہیں چاہتے کہ نازیوں کو فتح حاصل ہو۔ ہم برطانیہ کی فتح کے طالب ہیں۔ اس میں ہمارے آقاؤں کی تبدیلی کا کوئی سوال نہیں۔ ہم برطانیہ سے اپنی آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں یہی سبب ہے کہ ہم نے شروع سے ہی برطانیہ کی راہ میں کانٹے نہیں ڈالیں۔ مثلاً باوجودیکہ پاکستان ہماری کشتی کا لنگر ہے ہم نے اسے برطانیہ کی دلی اور پوری امداد کرنے کی شرطِ اولیں نہیں قرار دیا۔ ہم نے اگر طلب کیا تو یہی اقرار کہ برطانوی حکومت ہمارا ساتھ نہ چھوڑے گی یعنی صرف کانگریس کے ساتھ کوئی قطعی یا عارضی تصفیہ نہ کرے گی۔ یہ اقرار محض دورانِ جنگ کا ایک معاہدہ تھا اور اس میں یہ بات شامل نہ تھی کہ ہم یا برطانوی حکومت اس وقت یا آئندہ کے لئے کوئی خاص پابندیاں اختیار کر رہے ہیں۔ ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آدمیوں سے روپے سے اور ساز و سامان سے بہت بڑی مدد دیں گے بلکہ یوں کہئے کہ ہم نو کروڑ مسلمانوں کی کامل امداد پیش کرتے ہیں میں اپنی اور برطانیہ کی مشترکہ طاقت میں ان سب کو شامل کرنے کیلئے تیار ہوں مگر لازم ہے کہ مجھے اختیارات میں برابر کا حصہ سچا اور پُر اثر حصہ دیا جائے۔ اس بے سمجھ اور پرانی لکیر کے فقیر حکومت کے حامی اور اس کی غلطیوں کو صحیح بتانے والے

لوگ کہتے ہیں کہ مسٹر جناح کی تجویزیں رفع فساد باہمی کی نفی کرتی ہیں۔ یہ لوگ صرف اس اقرار پر ہماری امداد کے طلبگار ہیں کہ جنگ کے بعد ہم وفادار ملازموں کی طرح یاد رکھے جائینگے بلکہ ہمیں کچھ بخشیش بھی دی جائیگی۔

حضرات! ہر ایک دیانتدار مسلمان کا یقین واثق ہے کہ کانگرس محض ہندوؤں کی ایک انجمن ہے اور کانگرس کے مختاران کار یا ہائی کمان کا صرف ایک مدعا ہے یعنی ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا اور مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو اپنا پورا پورا محکوم بنانا۔ اب غیر کانگرسی ہندوؤں کی سنئیے۔ ڈاکٹر مونجے اور مسٹر ساورکر کہتے ہیں کہ مسلمان جرمنی کے یہودیوں کی طرح ہیں اس لئے ان سے وہی سلوک کرنا چاہیے (جو ہٹلر نے یہودیوں سے کیا) اور کانگرس کی قومیت ایک فاسد قومیت ہے جس کے متعلق اگر وہ بہانہ سازی اور ظاہرداری ترک کردے تو اپنے حلقہ میں دوسرے فرقوں کے کتنے ہی "نمائشی لونڈے" نہ رکھے۔

حضرات! کانگرس آزادی چاہتی ہے اور اس کے لئے برطانوی حکومت سے اعلان آزادی طلب کرتی ہے۔ کیا تاریخ میں کسی ملک یا قوم کی مثال ملتی ہے جس نے ایک غیر حکومت کے اعلان کے ذریعہ آزادی حاصل کی ہو؟ نہیں آزادی ملتی ہے اس صورت میں جب کہ اس کے لئے صفات پیدا کرلی جائیں طالبان آزادی کا کام صرف یہ ہوسکتا ہے کہ اسے غیر کے ہاتھوں سے چھین لیں اور یوں اس پر قبضہ پائیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ کانگرس ہندوستان کی حکومت تو چاہتی ہے مگر برطانوی تلواروں کے زیر سایہ۔ کانگرس حاکمانہ اختیار کی طلبگار ہے مگر دوسرے فرقوں پر جبر کرنے کے لئے۔ آج کل کانگرس خود برطانوی حکومت کو مجبور کررہی ہے کہ وہ اپنے اختیارات اس کے حوالے کردے۔ کانگرس طرح طرح کے حیلوں سے حکومت کو خوفزدہ کرنا چاہتی ہے اور اس طریق سے مطلب برآری

کے درپے ہے۔ حکومت اس دھوکے سے آگاہ ہے۔ ہم بھی باخبر ہیں۔ مگر حکومت کو یہ حوصلہ نہیں۔ کہ مسلمانوں کو کانگرس یا ہندوؤں کے رحم پر چھوڑ دے اگر وہ ایسا کریگی تو بُری طرح پچھتائیگی۔

حضرات! ہم مسلمان موجودہ حالات میں کیا چاہتے ہیں؛ ہم نے گزشتہ پچیس برس میں ایک عزت مندانہ تصفیہ کے لئے دیانت دارانہ کوششیں کیں اور بار بار کیں مگر ہندو لیڈروں اور کانگرس کی اپنی تسلیم کردہ تمنا کے باوجود تصفیہ نہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ کانگرس کے تعمیری لائحہ عمل کا ایک اہم ترین جزو مسلمانوں اور ہندوؤں کا اتحاد ہے۔ مگر اس کے بجائے یہ دونوں ایک دوسرے سے دور ہی جا رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہندوؤں اور کانگرس کو صرف ایسا تصفیہ منظور ہے جس سے وہ سارے ہندوستان پر فوقیت حاصل کر لیں۔ اس کے مقابلے میں مسلمان صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کو آزادی میں اور ہندوستان کی آئندہ حکومت میں مساوی حصہ دیا جائے۔

مگر ہمارا یہ مطالبہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے نقطہ ہائے نگاہ میں ایک بنیادی اختلاف کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برطانویوں سے ایک مشترکہ اور ذمہ دار حکومت لینے میں ہم دونوں ناکام رہے ہیں۔ اندریں عرصہ ہمیں کانگرسی حکومت کا ایک ہیبتناک تجربہ ہوا اور اس تصفیہ کی شکل پر خاک پڑ گئی جو کانگرس کو منظور ہے۔ اگرچہ ہم اس تجربہ کو فراموش تو کبھی نہیں کر سکتے مگر معاف کر دینا بھی دیر طلب ہے۔ بہر حال ہم اب

اپنے ہندو بھائیوں کو دعوت دیتے ہیں کہ ہم سب گزشتہ پچیس سال کے تجربات اور اسباق کی روشنی میں تصورات تصفیہ پر عملی تدبر اور دیانت داری کے ساتھ نظرِ ثانی کریں۔ ہندوؤں کو لازم ہے کہ وہ ہندو راج کے خواب دیکھنا ترک کر دیں اور ہندوستان کو تقسیم کر کے ہندوؤں کا وطن اور مسلمانوں کا وطن علیحدہ علیحدہ بنائیں۔ آج ہم مسلمان ارضِ ہند کا صرف ایک چوتھائی حصہ لینے اور باقی تین چوتھائی ہندوؤں کے لئے چھوڑ دینے کو تیار ہیں۔ لیکن اگر وہ اسی طرح سودا بازی کرتے رہے تو ممکن ہے کہ یہ تین چوتھائی ان کے ہاتھ نہ آئے۔ ہماری منزلِ مقصود تو پاکستان ہے۔ مسلمانانِ ہند اس کے حصول کے لئے زندہ رہیں گے اور اگر ضرورت ہوئی تو اسی کوشش میں مر جائیں گے۔ ہاں یہ محلِ سودا بازی کا نہیں ہے۔

حضرات! میں آپ سے جو شبانِ اسلام ہیں اپیل کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو تیار کیجئے اور اس بات کے قابل بنایئے کہ ہم اسلامیانِ ہند اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائیں۔ ہماری سب امیدوں کے بر آنے کا انحصار مسلم قوم کے نوجوانوں پر ہے۔

موجودہ صورتِ حالات کے پیشِ نظر مجھے کچھ اور بھی کہنا ہے۔ حال میں برطانوی حکومت کی طرف سے بعض اشخاصِ مجاز نے آوازِ بلند کی کہ قول و قرار اور سمجھوتہ کے لئے دروازہ کھلا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی صدائے بازگشت بھی یہی ہے۔ ہم بھی برطانوی حکومت کے ساتھ سمجھوتہ کے خواہشمند ہیں

چنانچہ اس سارے معاملہ کے ضمن میں مَیں نے ان اختلافات کی تشریح کردی ہے جو ایک طرف مسلمانوں اور برطانوی حکومت کے درمیان ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں اور کانگرس کے مابین۔

قائداعظم

کی معرکۃ الآرا تقریر جو آپ نے مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی کے اجلاس میں
۱۹ر نومبر ۱۹۴۷ء کو ارشاد فرمائی

مسٹر ڈپٹی پریذیڈنٹ! میں احساس غم کے ساتھ اس بحث میں حصہ لیتا ہوں۔ میری رائے میں ہم سب کو یقین ہے کہ یہ جوکھوں کی گھڑی ہے۔ سنجیدہ غور و فکر کا وقت۔ ہم نے پچھلے چھ دنوں میں مختلف تقریریں سنی ہیں۔ ان میں جواب مضمون پند و موعظت۔ لیکچر، بعض تاریخی بعض اخلاقی و مذہبی سبھی شامل تھے۔ مگر میں ایک معمولی انسان ہوں اور وہ فصاحت و بلاغت پیش نہیں کر سکتا جس سے اس ایوان کی ضیافت طبع ہو چکی ہے۔ میں اپنی بحث کو محدود کرونگا۔ اور سیدھے سادھے طریق سے محض سیاسیات اور قانون سازی سے مطلب رکھوں گا۔ میرے تصور کے مطابق یہ ساری صورت حالات تین حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے یعنی ماضی، حال اور مستقبل،

جناب والا! کیا اس امر سے کچھ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے کہ گزشتہ واقعات دہرائے جائیں۔ اور تلخ بہتان اور الزام اور لڑائی جھگڑے کی یاد تازہ کی جائے؟ کیا یہ موزوں وقت ہے کہ ہم ایک دوسرے کو مجرم ٹھہرائیں، برا بھلا ٹھہرائیں اور یوں پکاریں کہ "یہ ہیں تمہاری بداعمالیاں"۔ پھر فریق مقابل کہے کہ "نہیں یہ ہیں تمہاری بداخلاقیاں"۔ اس طرح

تلخیوں میں اضافہ ہوگا۔ اس طرح وہ مسئلہ جو پہلے ہی بے حد پیچیدہ اور مشکل ہے مشکل تر ہو جائے گا۔ اور اس مقام سے دور ہی دور ہٹتا چلا جائیگا۔ جہاں کہ اس کا حل حاصل کر لینا ممکن ہے۔ الغرض میں پچھلی باتوں میں نہیں پڑتا۔ ہم ان کا مطلب خوب سمجھتے ہیں اور ان سے آگاہ ہیں۔

جناب والا! میں اب اختصار سے کام لونگا۔ یہ کہا گیا ہے کہ معاملہ زیر بحث میں حکومت کے خلاف ہماری سب سے بڑی شکایت اور اپنی رائے کی تائید میں دلیل یہ ہے کہ اس نے ہندوستانی افواج کو ملک سے باہر بھیجنے کے فیصلے میں ہم سے مشورہ نہ کیا۔ جناب والا! ہم جانتے ہیں کہ ایک عجیب سا دستور قائم ہو چکا ہے۔ حکومت اپنے فیصلے سے ہمیں مطلع کر دیتی ہے اگر ہم ایسی اطلاع کو مشورہ قرار دیں تو بلاشبہ یہ ایک غیر رسمی یا بے قاعدہ مشورہ ہوگا۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ملک معظم کی حکومت نے افواج ہند کو فلاں جگہ بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ اسے مشورہ قرار دیں تو یہ آپ کی مرضی۔ مجھے شکایت نہیں۔ بہر حال حکومت زبان حال سے کہتی ہے کہ "اگر آپ لوگ چاہیں تو یوں کہیں۔ ہم اس بات سے کوئی سروکار رکھنے کے لئے تیار نہیں"

جناب والا! یہ چیز ماضی سے متعلق ہے۔ ہم اسے بدل نہیں سکتے۔ کیا ہم اس وقت یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ابھی اسی دم آئین ہند پر نظر ثانی کرتے ہیں بلکہ از سر نو مرتب کرتے ہیں؟ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ دستور مذکور اس آئین کا ایک اہم عنصر ہے۔ جنگ میں ہندوستان کی شمولیت کے اعلان کے وقت بھی حکومت نے ہم سے مشورہ نہیں کیا تھا۔ اس کے متعلق بڑے آئینی اور قانونی مباحثات ہو چکے ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ یہ فریق سچا ہے یا وہ فریق غلطی پر ہے مگر یقیناً ہم سب اور میرے معزز دوست سر راما سوامی مدالیر جانتے ہیں کہ ہماری حکومت ہند کی حالت برطانوی سلطنت کی دیگر مملکتوں سے قطعاً مختلف ہے جن کو قانون ویسٹ منسٹر کی رو سے کامل آزادی

حاصل ہے۔ ہم مسٹر گرفتھس کی طرح ظاہرداری اور بناوٹ سے کیوں کام لیں۔ میری رائے میں ان کا یہ بیان دانائی سے بعید تھا کہ جب کانگرس کے ممبر اس ایوان میں حاضر نہیں ہوتے تو وہ ملک کا نمائندہ نہیں رہتا۔ غور کیجئے اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ باقی ممبران کسی گنتی شمار میں نہیں۔

مسٹر گرفتھس:- میرا مطلب یہ تھا کہ کُل کی نمائندگی ایک جزو نہیں کر سکتا۔

مسٹر جناح - درست! اگر ایک بڑا حصہ موجود نہ ہو تو حالت یہی ہوتی ہے مگر اس حقیقت سے اس رائے کا جواز نہیں ملتا کہ حکومت نے ایوان کی غیر نمائندگی کی حالت کے سبب ہم سے مشورہ نہ کیا۔ مگر پھر بھی میں پوچھتا ہوں کہ کیوں نہ کیا؟ سُنئے! اصل وجہ یہ ہے کہ حکومت ہند کو اور اس ایوان کو بھی یہ کہنے کا اختیار حاصل نہیں کہ "ہم ہندوستان کو جنگ میں شامل نہیں کرتے اور اسے ایک متخاصم فریق نہیں بناتے"۔ سنئے! یہ بات بُری ہو تو ہو مگر آئینی، قانونی اور عملی حقیقت یہی ہے کہ ہندوستان ایک مملکت محروسہ ہے اور برطانیہ کے قبضہ میں۔ اس سے راہ فرار ممکن ہی نہیں۔ کیا آپ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ خود جناب وائسرائے یا نمائندہ تاج برطانیہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس مجلس قانون ساز سے مشورہ کریں اور مزید برآں جنگ میں شامل ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ہمارے فیصلہ پر عمل پیرا ہوں؟ پھر بہانہ سازی کیوں؟ غلط رہنمائی کس لئے؟ بہر صورت جنگ میں ہندوستان کی شمولیت کا اعلان ہو چکا ہے اور یہ واقعہ گزشتہ تاریخ سے متعلق ہے۔ میں پچھلے واقعات پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ملک معظم کی حکومت بلا لحاظ اس بات کے کہ ہندوستان کو پسند ہے یا ناپسند، وہ رضامند ہے یا نارضامند، جنگ کا اعلان اور شمولیت ہند کا اعلان کر چکی ہے۔ یہ ہے صورت حالات جس سے ہم دوچار ہیں۔ آنریبل اراکین اسے پیش نظر رکھیں۔ اچھا تو اب کیا کیا جائے؟ جناب والا! مجھے افسوس ہے کہ اس جانب سے اور اس طرف سے ایسی دلیلیں،

دی جارہی ہیں جن کو واقعیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ہاں تو کیا کیا جائے؟ اگر حکومت مجھے خوفزدہ کرنے کے لئے یہ دلیل پیش کرے کہ انگلستان کی شکست کی صورت میں تمھاری بھی خیر نہیں تو میں جواب دونگا کہ میں انگلستان کی شکست نہیں چاہتا۔مگر میں یہ ضرور کہونگا کہ اس صورت میں انگلستان کو زیادہ اور مجھے کم نقصان پہنچے گا۔انگلستان اپنی آزادی کھو بیٹھے گا اور نہ صرف نازی اسے پامال کریں گے بلکہ اس کے پاس کچھ باقی نہ بچے گا۔پس میں حکومت کو کہتا ہوں کہ "مجھ سے بڑھکر تم خطرے میں ہو۔" لیکن جناب والا! اس کہنے سننے سے ہمیں حاصل کیا ہوگا کچھ نہیں۔یہ ہوسکتا ہے کہ حکومت ہند ہمارے ملک کے نادانوں اور بے خبروں کو پراپاگنڈا کی غرض سے یہ کہے کہ "اگر انگلستان کو شکست ہوئی تو تمھاری آزادی یا تمنائے آزادی اور ذمہ دارانہ حکومت کی حصول کی خواہش یہاں تک کہ تمھارے مذاہب گرجا۔مندر۔مسجدیں سب فنا ہوجائیں گے"۔اگر ہم اسے درست بھی تسلیم کرلیں تو اس سے حکومت کو کیا فائدہ ہوگا۔میں اس کے جواب میں پھر بھی یہ کہہ سکوں گا کہ ہندوستان سے بڑھکر انگلستان خطرے میں ہے۔

جناب والا! حکومت کے رفقا ایک خاص دلیل مسلمانوں کی غور کے لئے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "اسلامی ممالک خطرے میں ہیں"۔ہاں بیشک ہیں اس سے کسی کو انکار نہیں مگر حکومت کو لازم ہے کہ ذمہ دارانہ طریق سے سوچے ان دلائل اور اس پراپاگنڈا سے کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔پروپیگنڈا بہت کچھ کرسکتا ہے لیکن بعض کام ایسے ہیں کہ لوگوں کو محض خوفزدہ کرنے سے سرانجام نہیں ہوسکتے۔جناب والا! میں حکومت ہند کی جنگی کوششوں اور سارے ہندوستان سے متحدہ طور پر امداد مانگنے کے ضمن میں مسلم لیگ کی نسبت کہہ سکتا ہوں اور بلا خوف تردید کہتا ہوں۔عین آغاز جنگ سے اس وقت تک ہم نے حکومت کی راہ میں کوئی مشکل حائل نہیں کی نہ اسے تنگ کرکے شش وپنج میں ڈالا ہے ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء سے ٹھیک آج ۲۹ ستمبر سال رواں تک ایک برس کی مدت میں ہم

نے اُس قول و قرار اور ان مذاکرات کی راہ میں بھی کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی۔ جو حکومت مختلف پارٹیوں سے بدیں غرض کر رہی ہے کہ جملہ جماعات تمام طبقات اور سارے فرقے متحد ہو کر ہماری انتہائی مدد کریں ۔ میں اس سلسلے میں اس ایوان کے سامنے بڑے بڑے واقعات کا ذکر جلد جلد کئے دیتا ہوں۔

جب جناب وائسرائے بہ حیثیت نمائندہ تاج برطانیہ اس ملک کے بہت سے سرکردہ لیڈروں کے ساتھ ملاقات کر چکے تو یکایک مجھے اور مسٹر گاندھی اور اس وقت کے صدر کانگرس بابو راجندر پرشاد کو بلایا۔ یہ اکتوبر ۱۹۳۹ئہ کا واقعہ ہے۔ اس وقت ہم میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ ہم کیوں بلائے گئے۔ بہر حال وائسرائے نے ایک تجویز پیش کی۔ آپ سب اس سے آگاہ ہیں مگر میں اس کی تشریح کرتا ہوں۔ وائسرائے نے کہا کہ "صوبائی حکومتوں کے متعلق اگر دونوں بڑی بڑی پارٹیاں یعنی مسلم لیگ اور کانگرس آپس میں کوئی قرارداد کر لیں تو میں اپنی مرکزی مجلس منتظمہ کی توسیع کے لئے تیار ہوں۔ قانون نے اس کے ممبروں کی تعداد محدود نہیں کی۔ اس توسیع کے معاملہ میں دونوں پارٹیوں کی خواہشات جہاں تک مجھ سے ممکن ہے زیادہ سے زیادہ پوری کی جائیں گی۔" اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ مجھے امید ہے کہ آنریبل ممبروں کو میرا یہ بیان سمجھنے میں غلط فہمی نہ ہو گی کہ جب ہم نے وائسرائے کی پیشکش کے جواب میں اپنے اپنے مطالبات پیش کئے تو ہمارا یہ خیال نہ تھا کہ وہ سب کچھ دے دیا جائے جو کانگرس مانگ رہی ہے یا جس کا مطالبہ مسلم لیگ کر رہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود جو جواب وائسرائے نے دیا ہم دونوں پارٹیوں نے اپنی اپنی جگہ غیر تسلی بخش ہی قرار دیا۔ بہر حال اصل نکتہ یہ ہے کہ میں نے عین ملاقات کے وقت اپنی ذمہ داری پر کہہ دیا تھا کہ ہم مسلمان وائسرائے کی تجاویز پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں مگر مسٹر گاندھی نے فی الفور یہ کہا کہ ہمیں تجاویز قطعاً منظور نہیں اور ہم ان پر غور نہ

کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔ غرض کچھ وقت کے لئے یہ بحث یہیں ختم ہوئی۔ اس کے بعد فروری میں یہ بات ایک بار پھر چھیڑی گئی۔ مجھے اس کا علم نہیں کہ کیا حالات پیش آئے سوائے ان کے جن کا ذکر میں نے اخبارات میں پڑھا۔ بہرصورت جناب وائسرائے نے اپنی اورینٹ کلب کی تقریر میں مسٹر گاندھی کو اشارہ کیا کہ ایک عزت مندانہ قول و قرار کا بیچ ابھی تک موجود ہے۔ اس پر ایک اور کوشش فروری میں کی گئی مگر نتیجہ اس کا بھی وہی ہوا۔ اور پھر فروری کے بعد جو کچھ ہوا مجھے اس کی خبر نہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ملک معظم کی حکومت کے ایما سے حکومت ہند نے خاموشی اختیار کر لی۔ کیونکہ اصل بات تو یہی ہے کہ نمائندۂ تاج برطانیہ کا فرض برطانوی حکومت کے احکام پر عمل کرنا ہے اور بس! جب صورت حالات یہ ہو تو مسلم لیگ کو مطعون کرنا کیا معنی؟ بہت سے اہل الرائے جن میں اس ایوان کے بعض ممبر شامل ہیں کہتے ہیں کہ "جہنم میں جائیں تمھاری دونوں پارٹیاں"۔ مگر یہ تو مسلم لیگ کے حق میں ناانصافی ٹھیری۔ اگر بات بگاڑی تو مسلم لیگ نے نہیں بلکہ کانگریس نے۔ اس معاملہ میں کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کو یکجا کرنا ان لوگوں کی سخت نادانی کا ثبوت ہے۔ ہاں تو فروری کے بعد لیگ نے یہ دیکھ کر کہ سب سو گئے ہیں سوچا کہ ہندوستان کے اغراض و مفاد کے پیش نظر ہر ہندوستانی پر ایک خاص فرض عاید ہوتا ہے یعنی دفاع ہند کو قوی سے قوی تر بنانا اور اس طرح اپنی جان و مال و آبرو کی حفاظت اور سلامتی کا بندوبست کرنا۔ چنانچہ غالباً جون میں لیگ نے ایک قرارداد منظور کی۔ میں اس کا ایک پیراگراف سنا کر اس کے رجحان پر روشنی ڈالتا ہوں۔ سنئے!

"دنیا کی موجودہ پُراندیشہ حالت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ ہر ہندوستانی اپنے ملک کی حفاظت کے لئے سخت سے سخت کوشش کرے۔ اور مجلس عاملہ حکومت ہند سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ آنے والے ہر ایک واقعہ سے عہدہ برآ ہونے کیلئے ملک کو ایک منظم طریق سے تیار کرے۔ یہ کمیٹی مجبور ہو کر کہتی ہے کہ دفاع ہند کی وہ تجاویز جو جناب وائسرائے اور جناب کمانڈر ان چیف (سپہ سالار) اور بعض صوبائی گورنروں

نے اپنے بیانات میں درج کی ہیں موجودہ حالت کی لازم و لابد ضرورتوں سے نپٹنے کے لئے قطعاً ناکافی ہیں۔ اس لئے یہ کمیٹی اپنے صدر کو اس امر کے لئے اپنا مجاز اور مختار بناتی ہے کہ وہ جناب وائسرائے کے ساتھ مذاکرات اختیار کرے۔ ان کا مقصد یہ ہو کہ جنگی کوششوں کو قوی سے قوی تر بنانے کیلئے اور دفاع ہند کے لئے ملک کے ان تمام وسائل کے امکانات کی تحقیقات کی جائے جن سے ہماری قوتیں یکجا ہو جائیں اور حصول مدعا کے لئے فوری اور پُراثر طریق اختیار کئے جا سکیں۔ کمیٹی کی یہ رائے بھی ہے کہ ہم کُل ہند کو کامل باہمی تعاون کی بنیاد ٹھہرائیں۔ نہ کہ مختلف صوبے اپنی اپنی جگہ الگ الگ کوشش کریں اور اس طرح حکومت اور مسلم لیگ نیز وہ دوسری پارٹیاں جو رضامند ہو سکیں مل کر میدان عمل میں آئیں اور موجودہ فوری خطرہ کے پیش نظر حفاظت ملک کی ذمہ داری قبول کریں۔ اگر یہ طریق کار اختیار نہ کیا جائیگا تو ہم اپنے اصل مقصد کیلئے نہ پوری کوشش کر سکیں گا اور نہ اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہونگے۔"

جناب والا! یہ ۲۷ جون کا واقعہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اس بیان کا ایک اثر ہوا اگرچہ مجھے اس بات کا پورا علم نہیں مگر میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ صدر مقام میں ہماری اس قرارداد کے پہنچتے ہی ایک بار پھر باہمی سمجھوتہ کی تحریک شروع ہو گئی۔ مگر بدقسمتی سے نتیجہ اس مرتبہ بھی یہی ہوا کہ کانگرس اپنی جگہ پر قائم رہی اور اس وقت بھی اس کی حالت وہی ہے۔ رہی مسلم لیگ۔ ہماری حالت کا اظہار ہماری قرارداد سے ہوتا ہے۔ جنگی کوششوں کیلئے تعاون کے معاملہ میں ہم کانگرس کی نسبت کیا خیال کرتے ہیں اس کا جواب میں آگے چل کر دونگا۔

جناب والا! مسٹر جیمز کی تقریر نہایت شاندار تھی۔ وہ اور مسلم لیگ تعاون کے متعلق ہم خیال ہیں۔ ہم نے اصول تعاون منظور کر لیا ہے اور انھوں نے اس کی نسبت بجا طور پر کہا ہے کہ "حکومت ہند اور رضامند پارٹیوں کی باہمی تعاون کے معنی یہ ہیں کہ مرکزی حکومت میں اور اسی طرح صوبائی حکومتوں میں ان پارٹیوں کو اختیارات حاصل ہوں۔" اس کے بعد مسٹر جیمز ہمیں کہتے ہیں کہ "اپنی حالت کی وضاحت

کرو۔" میں جواب دیتا ہوں کہ خود ان کی رائے کے مطابق جیسا کہ ان کی تقریر سے واضح ہوتا ہے مسلم لیگ نے ملک معظم کی حکومت کے اس بیان کو اصولاً منظور اور تسلیم کر لیا ہے کہ "ہم بعض تحفظات کے ماتحت ہندوستان کی سرکردہ لوگوں کو حکومت میں اختیارات دینے کیلئے تیار ہیں"۔ اس کے باوجود مسٹر جیمز ہم سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کی یہ منظوری قطعی ہے؟ اور پھر خود ہی کہتے ہیں کہ جب آپ نے اصول مان لیا تو کیا اسے محض تفصیلوں کی عدم قبولیت کے سبب رد کر دیں گے"؟

جناب والا! ہم نے اصول بیشک تسلیم کر لیا ہے۔ مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تفصیلات کے طے کرنے میں خود اصول تلف ہو جائے یا عمل میں لانے کے دوران میں اس کی حیثیت صفر کے برابر رہ جائے۔ یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ "اصول" اور "تفصیلات عملی" میں تمیز نہیں کی جا سکتی۔ ہم اصول کو حماقت کے درجے تک گرا سکتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر میں آپ کو ایک مثال دیکر اپنے منشا سے آگاہ کرتا ہوں۔ سُنئے!

"مجھے آپ کی امداد کی ضرورت ہے۔ آپ خطرے میں ہیں اور میں بھی۔ میں اپنے تمام ذرائع ایک مشترکہ وسیلے میں شامل کرنے پر رضامند ہوں۔ چنانچہ میں کہتا ہوں کہ میں تیار ہوں۔ آیئے ہم دونوں مل کر اس مصیبت کا، اس خطرے کا مقابلہ کریں۔ پھر ڈوب جائیں تو اکٹھے۔ تیریں تو دونوں۔ یہاں تک معاملہ صاف ہے۔ مگر یہ بھی تو بتایئے کہ مجھے ان سب ذرائع کے استعمال میں جن کو میں نے مشترکہ وسائل میں شامل کیا ہے کوئی اختیار حاصل ہوگا؟ رہے وہ فوائد جو فتح سے حاصل ہونگے ان کی نسبت میں فی الحال کچھ نہیں کہتا۔ ہاں مجھے اس مشترکہ کوشش میں کوئی اختیار ہوگا؟ میری رائے کو کوئی وزن دیا جائیگا؟ اس پر آپ مجھے جواب دیتے ہیں کہ "نہیں نہیں، سارا کام ہم خود ہی کریں گے"۔ اب میں ضد کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ "نہیں صاحب میں تو ضرور اپنا مناسب حصہ لینا اور رائے دینا چاہتا ہوں"۔ آپ کہتے ہیں کہ "بہت خوب! تمھاری رائے لی جائے گی۔ تم ہمارے حصہ دار ہوگے"۔ میں پوچھتا ہوں "میرا حصہ کیا ہوگا؟" آپ جواب دیتے ہیں کہ "ہم تمھارے نمائندوں کو

دو عہدے عطا کرینگے "۔ میں سوال کرتا ہوں کہ مختاران کار کی کل تعداد کیا ہوگی ؟ آپ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ " ہم نہیں بتا سکتے "۔ میں ایک سوال اور کرتا ہوں کہ " کاروبار حکومت کون کون سے حصوں میں منقسم کیا جائیگا ؟ " آپ کا جواب یہی ہوتا ہے کہ " ہم نہیں بتا سکتے "۔ میری رائے میں آپ کی ان سب باتوں کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنا حصہ دار بنائیں گے مگر روپے میں سے فقط ایک پائی دینگے ۔ میں انجام کار کہتا ہوں کہ " جب آپ کا یہ خیال ہے تو آپ میری نام نہاد شراکت کیوں طلب کرتے ہیں ؟ " چنانچہ میں مسٹر جیمز سے پوچھتا ہوں کہ " آپ جو ایک کاروان سوداگر ہیں کیا آپ اسے کہیں گے بیوپار ، اسے کہیں گے کاروبار ؟ "

جناب والا ! مسٹر جیمز نے یہ بھی کہا ہے کہ " مسلم لیگ نے جنگ کی جدوجہد کے متعلق اپنا خیال اور طریق عمل واضح کر دیا ہے "۔ میں خوش ہوں کہ انھوں نے یہ بات تو تسلیم کر لی ۔ اس کے بعد مسٹر جیمز میری ایک تقریر کا حوالہ دیکر کہتے ہیں کہ " مسٹر جناح نے اپنی عید کی تقریر میں بیان کیا ہے کہ برطانوی حکومت کی بداعمالیاں چاہے کچھ ہوں مگر مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ ہندوستان کے مفاد کی خاطر حکومت کو امداد دیں اور اس کے ساتھ تعاون کریں "۔ مگر میں نے لفظ " فرض " استعمال نہیں کیا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ مسلمان دیانت داری کے ساتھ یقین رکھتے ہیں کہ حکومت برطانیہ سے تعاون کرنا چاہیئے تاکہ ہم اپنی جان و مال و آبرو کی حفاظت کر سکیں "۔

جناب والا ! میں ان باتوں سے ایوان کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا ۔ مگر یہ کہنا لازم ہے کہ جس طرح فرض کا لفظ کہنے میں مسٹر جیمز نے غلطی کی ۔ اسی طرح میری ساری تقریر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک اور بھی غلطی کی ہے ۔ چنانچہ انھوں نے اسی " فرض " کو زیر نظر رکھ کر یہ بھی کہا ہے " ہندوستان اس امر کا منتظر ہے کہ دیکھیں مسٹر جناح مسلمانوں کو اس فرض کی ادائیگی اور حکومت کے ساتھ عملی تعاون کے متعلق مزید کیا کہتے ہیں اور اس کی طرف اپنی آئندہ تقریر میں جو فنانس بل (مسودہ قانون مالیات

یا تجاویز مالیات) پر ہو گی کیا اشارہ کرتے ہیں۔" جناب والا! مسٹر جیمز کو واجب نہ تھا کہ یہ بات کہتے میں ان سے اپیل کرتا ہوں کہ مسلم لیگ اور مسلمانوں سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، آپ کو چاہیئے کہ حکومت کو مخاطب کریں اور اس سے پوچھیں کہ جب مسلم لیگ تعاون کا اصول تسلیم کر چکی ہے تو حکومت کے مختاران کار اسے جامۂ عمل پہنانے کیلئے کیا کرنے کو تیار ہیں اور کیا کرینگے؟

میں نے عید کی تقریر میں کہا تھا کہ "ہم مسلمان دیانت داری کے ساتھ یہ یقین رکھتے ہیں کہ حکومت برطانیہ کی گزشتہ بداعمالیاں چاہے کچھ ہوں ہمیں اس کی مدد کرنا اور اس کے ساتھ تعاون لازم ہے کیونکہ اس وقت ہم دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ نیز یہ کہ اگر ہندوستان کے ساحلوں تک جنگ آن پہنچے تو ہمیں اپنی جان و مال و آبرو کی حفاظت کی خاطر ہر ممکن تیاری کرنی چاہیئے۔ مسلم لیگ روز اول سے یہ حقیقت واضح کرتی چلی آئی ہے کہ ہم اپنے آدمی، خون، روپیہ سب کچھ دینے پر رضامند ہیں مگر برطانوی حکومت کی یہ حالت ہے کہ اب ہمارا تعاون بمعہ اختیاراتِ حاکمانہ نہیں چاہتی اور پھر اختیارات میں ہماری شرکت کے متعلق حکومت برطانیہ کی پیشکش صرف نام کی اور دکھاوے کی پیشکش ہی۔ یہ ہے مشکل جو ہماری راہ میں حائل ہے اور جس کے سبب ہم اسلامیان ہند کو راغب و آمادہ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ حکم تو ماننے سے رہے کہ جنگ کی جد و جہد میں کامل امداد کریں۔

جناب والا! حکومت شاید اس وجہ سے ہمارے ساتھ مناسب طریق اختیار نہیں کرتی کہ وہ کانگرس سے ڈرتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حکومت ہم پر اعتبار نہیں کرتی اور جیسا کہ ایوان کے لیڈر نے کہا یہ سبب بھی ہو سکتا ہے کہ "انگلستان کو ہندوستان پر پورا قابو حاصل ہے۔ اور اس لئے ہم حکومت ہند کی جنگی کوششوں میں تو کچھ مدد دے سکتے ہیں، ان میں رکاوٹ ڈالنے کی طاقت رکھتے ہیں اس لئے مدد مانگنے کی ضرورت ہی نہیں۔" مگر یہ سب میرے قیاسات ہیں اور صرف خدا کو خبر ہے کہ ہمارے ساتھ تسلی بخش طریق سے پیش نہ آنے کی اصل وجہ کیا ہے؟

جناب والا! ہم نے اپنی حالت بتا دی - اب ہم سے کہا جاتا ہے کہ جنگی اخراجات کی منظوری کے لئے رائے دیں - ظاہر ہے کہ جنگ جب تک جاری رہے گی اور حکومت ہند جنگی کوششیں کریگی روپے کے بغیر کام نہ چلے گا - ہم شکر گزار ہیں کہ مطالبہ صرف چھ کروڑ روپیہ کا ہے مگر ہم اس مالی مسودہ قانون کی موزونیت کی تحقیقات نہیں کر سکتے - ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ حکومت یہ روپیہ کس طرح خرچ کرے گی اور اخراجات کے لئے کون سے وعدے کئے جا چکے ہیں - اس میں ہماری آواز یا رائے یا حصے یا اختیار وغیرہ کو کوئی دخل نہیں - ہم نہیں پوچھ سکتے کہ حکومت کیا کر چکی ہے یا کیا کرے گی - ہمیں محکمہ فوج اور ساز و سامان مہیا کرنے والے محکمے اور دوسرے محکموں کی متعلق متعدد شکایات ہیں کہ ان میں کیا ہو رہا ہے - ممکن ہے کہ یہ بے بنیاد ہوں یا سچی ہوں - بہر حال شبہ اور بے اعتباری موجود ہے اور لوگ تعجب کر رہے ہیں کہ حکومت پس پردہ کیا کر رہی ہے

جناب والا! میں پوچھتا ہوں کہ ایسے نازک اور فیصلہ کن وقت میں بھی حکومت سچے دل سے اور سنجیدگی کے ساتھ ہمارے تعاون اور ہماری مدد کی طلبگار ہے؟ اگر واقعی ہے تو اس کی بنیاد باہمی احترام پر رکھے - اگر مسٹر ایمری وزیر ہند کے قول کے مطابق یہ بات صحیح ہے کہ وائسرائے کی مجلس منتظمہ کی توسیع کا اصل مقصد سیاسی ادارت ہند کے نمائندوں کی شمولیت ہے تو بہت خوب! اس سے پبلک کا بھروسہ بحال ہو جائے گا - اور یہی نمائندگان اس ایوان میں اور اس کے باہر بھی لوگوں کو آزادی کے ساتھ بتا سکیں گے کہ واقعات کی رفتار کیا ہے مگر موجودہ صورت میں حکومت اور اس کے انتظامات کی نسبت لوگ قطعاً بے خبر ہیں -

جناب والا! مسٹر ایمری کہتے ہیں " وائسرائے ہند کی پیشکش رہنمایان ہند کے لئے یہ موقع بہم پہنچاتی ہے کہ وہ حکومت ہند میں اہم اور پر اسرار حصہ لیں اور کوئی ناگوار پابندی اختیار کئے بغیر جنگ کی جد و جہد میں اپنی طاقت اور اثر و رسوخ کو پورا کام میں لائیں - اگر وہ اس پیشکش

کو قبول کرتے تو انھیں موجودہ یا آئندہ زمانے کیلئے کوئی سیاسی وعدہ نہ کرنا پڑتا۔ سوائے اس کے کہ ہم موجودہ ضرورت کے وقت ہندوستان کی سلامتی اور بہبود کے لئے اور اس مشترکہ مدعا کیلئے جس کی راستی پر ہم سب یقین رکھتے ہیں مل کر کام کریں گے"۔

جناب والا! عین یہی رائے مسلم لیگ کی ہے۔ کیا آپ ہم سے یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ ہم ایسے روپے کی بہم رسانی کی منظوری دیں جس کے خرچ میں ہماری آواز، رائے، مشورے، حصے یا اختیار کو کوئی دخل نہیں؟ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کس طرح حامیانِ حکومت ممبر محض جذبات کو اپیل کرنے کے لئے تقریر پر تقریر کر سکتے ہیں اور زبان نصیحت کھول سکتے ہیں۔ میں اراکین حکومت کو اور یورپین ممبروں کی پارٹی کو کہتا ہوں کہ آپ کیوں باہمی مشورہ کرکے حکومت، مختاران کار اور افسران مجاز کو کچھ عقل نہیں سکھاتے۔ میرے معزز دوست سر ہنری گڈنی نے بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ مجھ سے اپیل کی ہے۔ انھوں نے مجھے ایک برقی پیغام بھیج کر یہ یقین دلایا تھا کہ حکومت کے ساتھ اس سیاسی معرکہ میں آخری خندق تک میں تمہارا ساتھ دونگا۔ انھوں نے اب پھر یہی کہا ہے مگر اپنی تقریر سے تو انھوں نے مجھے ابھی سے آخری خندق تک پہنچا دیا۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ آیئے اور پہلی خندق میں قدم رکھئے اور مجھ سے اپیل کرنے کی بجائے مختاران حکومت کا مقابلہ کیجئے"۔

سر ہنری گڈنی۔ میں ان کا مقابلہ کر چکا ہوں۔

مسٹر جناح۔ نہیں آپ نے نہیں کیا۔ آپ انھیں صاف صاف کہئے۔

سر ہنری گڈنی۔ میں کہہ چکا ہوں۔

مسٹر جناح۔ اس ایوان میں کھڑے ہو کر کیوں نہیں کہتے؟

سر ہنری گڈنی۔ میں یہ بھی کر چکا ہوں۔

مسٹر جناح۔ نہیں آپ نے نہیں کیا۔ میں اول سے آخر تک آپ کی تقریر کے دوران میں یہاں موجود تھا۔

جناب والا! کمزور پارٹی کو لیجسلیٹو فیشن میں داخل ہو گیا ہے کیونکہ طاقتور یہ توفیق رکھتا ہے میں مسٹر جیمز کو بتا چکا ہوں اور ایک بار پھر بتاتا ہوں کہ ہماری قرارداد نے وہ خاص پیشکش جس کا مقصد مدد لینا اور اختیارات نہ دینا تھا مسترد کی تھی۔ ورنہ مسلم لیگ مذاکرات کے لئے اب بھی حاضر ہے مگر ہمارے لئے یہ امر واقعی ممکن نہیں کہ ایسے اخراجات کی منظوری کیلئے رائے دیں جن میں ہماری مرضی، حصے اور اختیار کو کوئی دخل نہیں۔ حامیان حکومت ایک اور دلیل بھی پیش کرتے ہیں (میرے نزدیک باقی سب دلائل مثلاً ہندوستان خطرے میں ہے وغیرہ بے معنی اور لچر ہیں) وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بل یہ مطالبہ نامنظور کیا گیا (اور ظاہر ہے کہ کانگرس اس کو شکست دینے کا عزم بالجزم کر چکی ہے) تو اس کا اثر بیرونی ممالک کی حکومتوں پر کیا ہو گا؟ ہاں بہت بُرا ہو گا۔ مگر جن لوگوں نے مطالبہ نامنظور کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے۔ انھوں نے اپنی کامیابی کا انتظام بھی بڑی باریک بینی اور خوبی کے ساتھ کر رکھا ہے، جیسے ریاضی کے کسی مسئلے کو حل کریں۔ مگر جناب والا! اس میں میرا کیا قصور ہے۔ یہ قصور ہی اس آئین کا جسے خود برطانوی حکومت نے مرتب کیا اور جس پر حکومت ہند بے سمجھ پرانی لکیر کی فقیر حکومت بیس تیس سال سے عمل پیرا ہے۔ دو متضاد چیزوں کا بیک وقت طلب کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ چُپڑی اور دو دو نہیں ملا کرتیں۔ میں حکومت ہند کو کہونگا کہ شکست تو شکست آپ کو تو فتح سے بھی کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ اگر آپ چند آراء کی اکثریت سے یہ تجویز منظور بھی کرا لیں۔ اگر مسلم لیگ آپ ہی کے حق میں رائے دے تو پھر بھی اس بات کا کیا علاج کہ آپ کے مخالفوں نے بیرونی ممالک کو پہلے ہی آگاہ کر رکھا ہے کہ پبلک کے انتخاب کردہ نمائندوں کی اکثریت اس مطالبہ کی خلاف ہے۔ امریکہ یا جرمنی میں کوئی ایسا احمق ہے جو مروجہ آئین ہند کی ماہیت اور خصوصیتوں سے واقف نہیں؟ ایسا کوئی شخص موجود ہے جو مضطرب و مشوش ہو کر کہیگا کہ مالی مطالبہ کی نامنظوری کے سبب اور بیرونی ممالک پر اس کی بُرے اثر کی وجہ سے برطانیہ کو جنگ میں شکست ہو گی؟ میں بغرض دلیل فرض کرتا ہوں کہ مسلم لیگ

کی مخالفانہ رائے آپ کیلئے باعثِ تشویش و رنج ہوگی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوگا اور آپ محض مبالغہ کرتے ہیں اور ہماری مخالفت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اچھا یوں بھی سہی کہ واقعی آپ اس سے تنگ نہ ہوئیے مگر آپ ہم سے توقع رکھ سکتے ہیں کہ ہم آپ کی تائید کریں۔ یاد رکھئیے۔ میری تسلی اس بات سے نہیں ہوئی کہ آپ نے گورنر جنرل کی مجلس منتظمہ کی توسیع کا اصول تسلیم کر لیا ہے مگر میری تسلی زیر بحث نہیں۔ کسی شخص کو روپے میں سے سولہ آنے نہیں ملا کرتے۔ جب ہم سب خطرے میں ہیں تو کسی پارٹی کا غیر معمولی مطالبات کرنا دانائی نہیں۔ کیونکہ یہ ٹھیک نہیں۔ اسے کاروبار یا بیوپار نہیں کہہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں نے امداد دینے کی شرط یہ نہیں قرار دی کہ پاکستان کا مطالبہ پہلے منظور کیجئے۔ پھر مدد لیجئے۔ حالانکہ یہ امر واقعہ ہے (چاہے اس کی متعلق میرے کانگرسی دوست کچھ ہی کیوں نہ کہیں) کہ ہم نے قطعی طور پر اور ہمیشہ کے لئے پاکستان کو اپنی منزل مقصود بنا لیا ہے اور ہم اس کے لئے لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔ اس کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی کو دل میں جگہ نہ دیجئے گا۔ وہ جمہوریت جو مسٹر ڈیسائی کے ذہن میں ہی ہلاک ہو چکی ہے۔ ہم تعداد میں کم ہو سکتے ہیں۔ کم ہیں۔ مگر میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ہم مسلمان اگر چاہیں اور ارادہ کر لیں تو آپ کو کانگرس سے سو گنا زیادہ تکلیف دے سکتے ہیں۔ آپ اس حقیقت سے بے خبر ہوں تو ہوں مگر میں بخوبی آگاہ ہوں۔ میں نے یہ بات دھمکی کے لئے نہیں محض آپ کی آگاہی کے لئے کہی۔ بہرحال آپ اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہم آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتے۔ اس وقت بھی نہیں۔ یہ ہے مسلم لیگ کی موجودہ حالت جہاں تک کہ آپ کو (حکومت کو) دخل ہے۔ رہا آئندہ زمانہ جب وہ آئے گا اور جو کچھ اپنے ساتھ لائے گا۔ دیکھا جائے گا۔

جناب والا! اب میں اپنے کانگرسی دوستوں کو مخاطب کر کے یوں عرض کرتا ہوں "آپ مجھ سے متفق ہوں یا نہ ہوں مگر بقول مسٹر ڈیسائی ہمیں واقعات اور حقائق کا سامنا کرنا چاہئے صورت حالات

مختصراً یہ ہے۔ مسٹر ڈیسائی نے اپنی تقریر کے دوران میں کانگریس کی مجلس عاملہ کی وہ قرارداد پڑھ کر سنائی جو بتاریخ دس ستمبر منظور کی گئی۔ اس کے بعد آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اس کے مطابق ایک قرارداد منظور کی۔ ان کی رو سے کانگریس نے اعلان کیا ہے کہ ہندوستان کو آزادی حاصل ہونی چاہئے اور ہندوستان کو یہ حق حاصل ہو کہ اپنی حکومت کا آئین خود مرتب کرے۔ اس مطلب کے لئے ایک مجلس باشندگان بنائی جائے جس کے جملہ اراکین کو تمام بالغ ہندوستانی خود اپنی رائے سے بطور نمائندگان انتخاب کریں مگر اقلیتوں کے لئے حق رائے دہندگی کی شرائط خاص ہوں نیز یہ کہ اس جدید آئین میں اقلیتوں کی تسلی اور تشفی کے مطابق ان کے لئے بعض تحفظات وضع کئے جائیں۔" جناب والا! وقت کی قلت کے باوجود میں اس ایوان کو اور اپنے کانگریسی دوستوں کو بتاتا ہوں کہ اہل کانگریس کے ذہن سے ابھی تک یہ خیال دور نہیں ہوا کہ محض کانگریس ہی ملک ہند اور قوم ہند باشندگان کی نمائندہ ہے اور ان کی طرف سے بات کرنے کی مجاز و مختار ہے اور مسلمان اور دوسرے سب اقلیتیں ہیں۔ میں اس ایوان کے سامنے صاف صاف کہتا ہوں کہ یہی وہ سبب ہے جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اس وقت تک کوئی سمجھوتہ نہیں ہونے دیا۔ کوئی مستقل قرارداد باہمی طے نہیں پائی۔ کانگریس کے لیڈر مجھے معاف کریں مگر مجھے مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ چاہے ان کا اپنا خیال کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر کانگریس دراصل ہندوؤں کی ایک انجمن ہے اور کانگریسی اور دوسرے ہندو لیڈر یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کانگریس کے حیطۂ نظر کے اندر اور ہندو راج کے زیر اثر آنا لازم ہے۔ کیونکہ وہ ایک اقلیت ہیں اور بس۔ البتہ مسلمان اس مطالبہ پر زور دینے کا انصافانہ حق رکھتے ہیں کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کیلئے تحفظات مرتب کئے جائیں۔

جناب والا! میں اس کے متعلق شرفائے کانگریس اور نیشنلسٹ پارٹی کے اراکین کی خدمت میں عرض کرونگا کہ مسلمانوں کے ذہن میں ہمیشہ یہ بنیادی خیال راسخ رہا ہے اور گزشتہ پچیس برس کے دوران میں اس میں کوئی رد و بدل نہیں ہوا کہ وہ ایک علیحدہ ہستی ہیں۔ ایک جدا اور وحدانی وجود...

مسٹر ایم۔ ایس۔ اینے۔ مگر ۱۹۲۰ء سے پہلے تو مسٹر جناح کی یہ رائے نہ تھی۔

مسٹر جناح۔ ۱۹۱۶ء سے ہے۔ اس وقت سے ہے جب کہ دو جدا جدا ہستیوں کی بنیاد اور لازمی اصول پر معاہدہ لکھنؤ مرتب اور منظور کیا گیا۔

مسٹر اینے۔ میں وہاں موجود تھا۔

مسٹر جناح۔ مشفق من! آپ وہاں ہونگے مگر اس وقت کسی نے آپ کا نام تک نہ سنا تھا۔ الغرض مسلمانوں کے دل و دماغ میں یہی خیال چلا آیا ہے اور دوسرا خیال ہندوؤں کا ہے۔ ان دونوں کی بنیادیں مختلف ہیں۔ میں ایک ثبوت پیش کرتا ہوں۔ مسلمانوں نے سندھ کی علیحدگی پر کیوں اصرار کیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس وقت مولانا محمد علی کانگرس کے پرستار تھے مگر وہ مجبور ہو کر پکار اٹھے کہ مجھے (یعنی مسلمانوں کو) کراچی سے کلکتہ تک علاقہ درکار ہے۔" یاد ہے آپ کو یہ بات؟ کانگرس نے اور ہندوؤں نے علیحدگی سندھ کی مخالفت جوش و خروش کے ساتھ کیوں کی؟ بلا شبہ اس کی ظاہری وجوہات مختلف ہیں مگر اصلی اسباب سے آپ آگاہ ہیں۔ دکھانے کیلئے کبھی مالیات کا عذر۔ کبھی یہ بہانہ کبھی وہ حیلہ تراشا جاتا تھا اور مخالفین کہتے تھے کہ مالی لحاظ سے سندھ کا بمبئی میں شامل رہنا ہی بھلا۔ سندھ علیحدہ ہو گیا تو اس کی اپنے مفاد کو نقصان پہنچے گا۔

مسٹر لعل چند نول رائے۔ کیا اب سندھ کو اسی بدقسمتی سے واسطہ نہیں؟ متوقع نقصان کیا نہیں ہو رہا؟

مسٹر جناح۔ میرے دوست! سندھ کی بدقسمتی ہم سب کی بدقسمتی ہے اور اس وقت تو کوئی بھی خوش قسمت نہیں۔ میں صرف علامات کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔ ان سے اہل ہنود اور اہل اسلام کے نقطہ ہائے کی وضاحت مقصود ہے۔ جن کو اختلاف کے سبب اس وقت تک مسلمان اور ہندو کوئی قرار داد باہمی طے کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ میں کانگرس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر مسٹر ستیہ مورتی کا ایک نمونہ پیش کرتا ہوں۔ مسٹر ایمری وزیر ہند کے بیان کے بعد حال ہی میں یعنی مئی سال رواں میں مسٹر

ستیہ مورتی نے بھی ایک بیان شائع کیا۔ یہ قول اس میں شامل ہے وہ یوں فرماتے ہیں "مسٹر ایمری اپنی قابلیت، تدبر اور صداقت و گرمجوشی کا صحیح ثبوت یوں دے سکتے ہیں کہ اس شدید اور کامل امتحان میں پورے اُتریں یعنی مسلم لیگیوں کو صاف طور پر متنبہ کریں اور کہیں کہ پاکستان نہیں دیا جائیگا۔ جملہ فرقوں کی مشترکہ وزارتیں نہیں ملیں گی۔ بعید از امکان تحفظات کی اُمیدیں بیکار ہیں تم مسلمانوں کو لازم ہے کہ اکثریت کے ساتھ اپنا معاملہ طے کر لو۔ اگر مسٹر ایمری ایک بار یہ کہہ ڈالیں تو باقی سب کچھ آسان ہو جائے گا۔"

ایک آنریبل ممبر۔ یہ کس نے کہا؟

مسٹر جناح۔ مسٹر ستیہ مورتی نے کہا۔ اور مشترکہ وزارتوں اور تحفظات کو وجود میں لانے سے انکار کیا۔ پھر اکثریت کی ساتھ معاملہ طے کرنے کا اور مسلمانوں کو مجبور کرنے کا مطالبہ کیا۔ میرے یہ شفیق چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کی رحم و کرم کے حوالے کیا جائے۔

مسٹر ایس ستیہ مورتی۔ نہیں نہیں میں نے یہ نہیں کہا تھا۔

مسٹر جناح۔ میرے شفیق! آپکے شدید اور کامل امتحان کا مطلب اس کی سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

مسٹر ایس ستیہ مورتی۔ میں نے یہ نہیں کہا تھا۔

مسٹر جناح۔ جناب والا! یہ ہے کانگرسی لیڈروں کی وہ ذہنیت جو ان کے ہر کام کی تہ میں ہمیشہ کارفرما ہوتی ہے۔

مسٹر ایس ستیہ مورتی۔ ہرگز ہرگز نہیں۔

مسٹر جناح۔ میرے کانگرسی دوستو! آپ شدید ترین غلطی کر رہے ہیں۔ ایسی غلطی آپ نے کبھی نہیں کی۔ مسٹر ایمری سے مسٹر ستیہ مورتی کی فرمائش اور سفارش نے تو مجھے وزیر ہند سے بھی خوفزدہ کر دیا۔ کیونکہ اہل کانگرس چاقو تیز کر رہے ہیں۔ عدم تعاون تو کر ہی رہے تھے اب سول نافرمانی کا آغاز کریں گے۔ میں کہوں گا کہ اس سے حکومت ہند اور حکومت برطانیہ کے ہوش خطا ہونے لگے ہیں۔ میں بھی

خوفزدہ ہوں۔ کانگرس کا خیال ہے کہ حکومت اپنی ضد اور خودرائی کے باوجود سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کی جا سکتی ہے۔

جناب والا! اس کے بعد حکومت کی آٹھویں اگست کے بیان اور مسٹر ایمری کی تقریر کا وقت آتا ہے۔ اب سارے معاملے کا مرکز یہی فیصلہ کن بیان ہے۔ حکومت برطانیہ کے بس کی بات فقط یہی تھی۔ اگر برطانوی کچھ اور کرتے اور مسلمانوں کو مجبور بھی کرتے اور انھیں اور دیگر اقلیتوں کو کانگرس کے رحم پر چھوڑ دیتے تو اس ملک کی تاریخ میں ان کا ذکر طعن اور ملامت سے کیا جاتا۔ اگر حکومت برطانیہ کانگرس کے خیال کے مطابق عمل کرتی تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟ (ہندو راج زیر سایہ تلوار برطانیہ)

جناب والا! یہی وہ چیز جس کے سبب کانگرس کے ساتھ میرا شدید اور بنیادی اختلاف ہے، کانگرس فی الحقیقت آزادئ ہند کی طلبگار نہیں۔ میں ابھی مسٹر گاندھی کے بیان سے اس کا ثبوت دونگا کانگرس چاہتی ہے کہ برطانیہ کے زیر سایہ اس کو حاکمانہ اختیارات حاصل ہوں اور ایسی طاقت کہ جس کی چاہے رعایت اور حمایت کر سکے نیز یہ کہ وہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں پر فوقیت پائے ان پر حکومت کرے مسٹر گاندھی کا ۲۹ اکتوبر کا مضمون اس حقیقت کا شاہد صادق ہے۔ یہ درست ہے کہ ہم مسٹر گاندھی کے مضمونوں میں جس بات کی چاہیں تائید تلاش کر لیں۔ وہ یونان کے مندر ڈیلفی کی آواز غیب کی مثال ہیں کہ ہر شخص اس کا مطلب اپنے مقصد کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔ واقعی مسٹر گاندھی کا مفہوم سمجھنے کیلئے عمیق مطالعہ کی حاجت ہے۔ جناب وائسرائے کی پیشکش رد کرنے کے بعد مسٹر گاندھی نے پچھلے سال بتاریخ ۲۹ اکتوبر فرمایا کہ "اگر آج برطانوی اس ملک سے نکل جائیں تو پنجابی (یعنی فی الحقیقت مسلمان) اور گورکھے ہندوستان میں تنگ و تاز کرنے لگیں گے۔ اس لئے اگر کوئی شخص ہندوستان میں برطانوی فوقیت اور حکومت قائم رکھنے کا خواہشمند ہے تو وہ صرف کانگرس ہی ہو سکتی ہے۔" یہ الفاظ خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

ایک آنریبل ممبر۔ پڑھتے جائیے۔

مسٹر جناح۔ میں پڑھ رہا ہوں۔ میں نے آپ سے کہیں بڑھکر اس کا مطالعہ کیا ہے۔ اب میں اس بیان کا مؤثر جزو پیش کرتا ہوں۔ "محض کانگرس ہی باشندگان ہند کی اور ان ہندوؤں کی نمائندہ ہے جو اپنی اکثریت کے باوجود کمزور ہیں"۔ میں اس ایوان سے پوچھتا ہوں۔ ہر ذی فہم شخص سے پوچھتا ہوں کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ دسویں اکتوبر کو آل انڈیا کانگرس کمیٹی ایک قرارداد منظور کرتی ہے اس میں آزادی اور تعمیر آئین کے لئے مجلس باشندگان مانگی جاتی ہے جسے جملہ بالغان انتخاب کریں۔ اور بیس روز بعد مسٹر گاندھی مذکورہ مضمون لکھتے ہیں۔ اس کے معنی فقط یہ ہو سکتے ہیں کہ مسٹر گاندھی حکومت برطانیہ کو کہتے ہیں کہ "سارا معاملہ مجھ سے طے کر لو۔ میں پنجابیوں اور گورکھوں سے بڑھکر تمھاری فوقیت کے قیام کا طالب ہوں"۔ اب سنئے کہ جب اس فریب کاری سے کاربراری نہ ہوئی تو مسٹر گاندھی دس اکتوبر والی قرارداد کے نومرید ہو گئے۔ یہاں تک کہ اب ان کو اس قرارداد کی مجلس باشندگان اور اس کے اختیارات آئین سازی میں ہی وہ علاج نظر آنے لگا جسے انھوں نے ہندوستان کی ہر درد کا دارو قرار دیا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔ تا آنکہ مجلس باشندگان مار مار کر ہلاک کر دی گئی۔ اس کے بعد کانگرس کی قرارداد دہلی کی باری آتی ہے۔ آج اس ایوان میں حزب مخالف کے لیڈر نے اپنی تقریر میں اسی پر شدومد کے ساتھ اصرار کیا ہے مگر صرف ایک جزو کا ذکر کیا۔ انھوں نے پہلے جزو پر کچھ بہت زیادہ زور نہیں دیا۔ پہلا جزو اعلان کرتا ہے (اور اگر میں صحیح نہیں کہہ رہا تو تصیح کر دیجئے) کہ "ہندوستان کیلئے کامل آزادی ہو اور غیر حکومت سے مخلصی رہائی، نیز مجلس باشندگان کے وسیلے سے تعمیر آئین کا حق اور مرکز میں ایک عارضی قومی حکومت جو اس ایوان کے منتخب اراکین کے سامنے جوابدہ ہو"۔ واضح ہو کہ عارضی قومی حکومت کی مطالبہ سے پہلے لفظ "اور" ہے نہ کہ "یا"۔ واہ وا، کیا کہنے ہیں۔ یقین کیجئے گا یہ بات آپ سے کہیں بڑھکر میرے دل کو لگتی ہے۔ جب میں اکیس برس کا لڑکا تھا تو اس کی خواب دیکھا کرتا تھا مگر ملک بھر میں اور اس ایوان میں صورت حال دگرگوں ہو گئی ہے۔ حزب مخالف کے لیڈر نے کہا کہ قومی

حکومت" کے معنی "جمہوری اور اکثریت کی "حکومت نہیں۔ انھوں نے اس کی تشریح بھی کر دی۔ اگرچہ یہاں لفظ "قومی" درست رہنمائی نہیں کرتا۔ بہر حال میں اس بحث میں نہیں پڑتا۔ بات یہ ہے کہ جب کانگرس قرار دادیں منظور کرتی ہے تو قدیم ہند کے شارحین قانون کی مثال آج کل بھی بڑے بڑے فاضل تفسیر و شرح کرنے لگتے ہیں، اور کئے جاتے ہیں یہاں تک کہ اصل قانون فراموش ہو جاتا ہے۔ اہل کانگرس نے کہا کہ قومی حکومت سے ہماری مراد مرکب (کمپوزٹ Composite Government) حکومت سے ہے۔ کہئے میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی۔ ہاں!

مسٹر جناح۔ آپ چاہیں تو اسے کولیشن (Coalition) ہی کا نام دیجئے۔ مطلب دونوں کا یہی ہے کہ وہ حکومت جس میں سب پارٹیاں شامل ہوں۔

مسٹر ڈیسائی۔ کولیشن کی اصطلاح مسٹر ایمری نے برطانوی حکومت کو زیر نظر رکھتے ہوئے استعمال کی۔ کم سے کم یہ مشابہت انھیں کی پیدا کردہ ہے۔

مسٹر جناح۔ مگر مسٹر ایمری نے اسی تقریر میں یہ بھی تو کہا کہ "برطانوی حکومت کی ایسی حکومت ہندوستان کو نہیں مل سکتی۔ ہندوستان کو اُن معانی اور مفہوم کے مطابق ایک وحدانی وجود حاصل نہیں جو انگلستان کو ہے۔ ہندوستان مستقبل کی مکمل آزادی میں بہت سی مکانات کی گنجائش ہے۔" ہاں تو کہئے کہ قرار داد زیر نظر کا پہلا حصہ رخصت ہوا؟ کیا آپ فوری آزادی کے اعلان اور حق تعمیر آئین بذریعہ مجلس باشندگان کے طلبگار نہیں رہے؟

مسٹر اینے۔ ایک تشریح تو یہ کی گئی ہے کہ محض "حق اعلان" تسلیم کئے جانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

مسٹر جناح۔ کانگرس تو حکومت برطانیہ سے تقاضا کر رہی ہے کہ آج، ابھی فوری آزادی کا اعلان کیا جائے۔

مسٹر اینے۔ میں نے مسٹر راجگوپال اچاریہ کی تشریح کی طرف اشارہ کیا تھا۔
مسٹر جناح۔ لیجئے ایک اور تشریح۔ یہی تو مصیبت ہے۔ جناب والا! میں کہتا ہوں کہ اگر کانگریس کوئی واضح اور قطعی اور قابل عمل تجویز پیش کرے تو ہم اس پر غور کرنے کیلئے تیار اور رضامند ہیں نہ کہ اس پر جو انھوں نے پیش کر رکھا ہے۔ ہم مسلمانوں نے اور میں نے اور لیگ نے اپنی قرار دادوں میں بار بار کہا ہے کہ کانگریس کا یہ مطالبہ مبہم ہے۔ قابل عمل ہونے سے دور ہے اور مسلم ہند کے لازمی و لابدی اغراض و مفاد کیلئے نقصان رساں ہے۔ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ کوئی حکومت کسی غیر ملک کی باشندوں پر اپنا تسلط جاری نہیں رکھ سکتی اگر یہ لوگ حلقہ حکومت اپنی گردن سے اتار پھینکنے کے قابل ہوں۔

اگر آپ کو کامل آزادی پر یقین ہے تو میں آپ کی عزت کرتا ہوں۔ اپنے ارادے پر قائم رہئے پھر حکومت برطانیہ کے ساتھ قول و قرار کرنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ برطانویوں سے یہ مانگنے سے کیا حاصل کہ "پہلے آپ ہمیں ایک مجلس باشندگان دیں جو آئین تعمیر کرے"؟ میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ حکومت برطانیہ کو یہ عزت، یہ استحقاق اور یہ منصب دینا چاہتے ہیں کہ جو آئین خود آپ کی مجلس باشندگان وضع کرے اسے وہ انگلستان کی کتاب قوانین میں درج کرلے۔ یہ کیوں ہو؟ آپ کے مطالبہ آزادئ کامل کی بنا پر برطانیہ کو تو ہندوستان سے واسطہ ہی نہ رہا۔ پس آزادی پکاریئے اور صاف صاف اس کی خواہش ہے تو جملہ اہل ملک سے فیصلہ حتمی طلب کیجئے۔ اگر یہ بات نہیں اور آپ کا اصل مطلب جو میرا بھی ہے یہ ہے کہ حکومت برطانیہ فی الفور اختیاراتِ حکومت کا ایک معقول حصہ ہمارے حوالے کرے تو یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ برطانوی حکومت اور برطانوی پارلیمان ایک قانون وضع کریں اور اس کی رُو سے اختیارات حکومت باشندگان ہند کی نمائندوں کو منتقل کردیں۔ ہاں یہ ہے وہ تجویز جسے میں سمجھ سکتا ہوں کیونکہ ہم اس کو مذاکرات کی بنیاد بنا سکتے ہیں۔

الغرض اگر آپ اپنی قرار داد کے پہلے حصہ کو چھوڑ دیں اور سب پارٹیوں کی ایک مشترکہ

اور عارضی حکومت مانگیں جو ہماری اس مجلس قانون ساز کے منتخب نمائندوں کے سامنے جوابدہ ہو تو میں کہونگا کہ ہمیں اپنا احساس تناسب و موزونیت نہ کھونا چاہئیے۔ میں کانگریس پارٹی کے معزز اراکین سے کہتا ہوں کہ چاہے آپ کچھ ہی کیوں نہ کہیں مگر ہم سب خطرے میں ہیں۔ ہم اس وقت بے پروا نہیں رہ سکتے اور اگر آپ کے پاس واقعی کوئی ایسی قابل عمل تجویز ہے جو سب ہوشمند معقولات پسند پارٹیوں کے لیئے قابل قبول ہو تو آپ اس کے متعلق کیوں ایک صحیح راستہ، مناسب طریق کار اور موزوں دستور عمل تیار نہیں کرتے؟ برطانویوں کو مخاطب کرنے سے کیا حاصل؟ تجویز کو برطانوی اخبار ڈیلی ہیرلڈ میں طبع کرانے میں کیا فائدہ؟ سنیئے یہ لوگ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں مسٹر راجگوپال اچاریہ نے ایک فراخدلانہ پیشکش اختراع کی ہے۔ اس کی تعریف و توصیف ہمارے فاضل اور قابل اہل صحافت نے بھی خوب کی ہے۔ ان کی ایک کثیر تعداد اس وقت یہاں نظر آرہی ہے۔ مگر مسٹر راجگوپال اچاریہ کی تجویز کو جامۂ عمل پہنانے پر حکومت برطانیہ غور نہیں کر رہی۔ سنیئے وہ مختصر الفاظ میں کیا کہتے ہیں۔ "اقلیتوں کے متعلق مسٹر ایمری کی مشکلات کے جواب میں میری فراخدلانہ پیشکش یہ ہے کہ اگر ملک معظم کی حکومت ایک عارضی قومی حکومت فی الفور مرتب کرنے پر رضامند ہو تو میں کانگریس کے مختاران کار کو اس امر پر راضی کرنے کا ذمہ لیتا ہوں کہ مسلم لیگ کو وزیر اعظم نامزد کرنے کی دعوت دی جائے جو قومی حکومت کے دیگر اراکین کا تقرر جس طرح بہتر سمجھے عمل میں لائے۔

جناب والا! مسٹر راجگوپال اچاریہ ڈیلی ہیرلڈ میں لکھنے کی بجائے آئندہ وزیر اعظم بننے والے شخص کو اپنے ساتھ بات چیت کرنے کیلئے کیوں نہیں بلاتے۔ اور کہتے ہیں کہ "میں کانگریس کی مجلس عاملہ کے اراکین کو اس امر پر آمادہ کرلونگا کہ میں جو کچھ کہوں مان لیں"۔ میں اپنے آنریبل دوستوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ ہے کاروباری طریق؟ پھر آج مسٹر راجگوپال اچاریہ اس بات کو جائز ٹھہراتے ہیں کہ انھوں نے مسلم لیگ کو پیشکش نہ بھیجی۔ میں حیران ہوں کہ ان کے دماغ کا طریق فکر کیوں اس قدر تعجب انگیز ہے کہ

سمجھ میں نہیں آتا۔ بہر حال وہ اس وقت یوں فرماتے ہیں اور اس ضمن میں مسلمانوں کی تعریف کرتے ہیں کہ وہ باقی سب ہندوستانیوں سے بڑھکر آزادی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ میں خوش ہوں کہ ......

ممبر رضا علی۔ جناب پر یہ کب روشن ہوا؟

مسٹر جناح۔ آپ سے پہلے —— ہاں تو مسٹر راجگوپال اچاریہ فرماتے ہیں کہ "میری فراخدلانہ پیشکش کو برطانوی حکومت نے قابل التفات نہ سمجھا۔ بعض نکتہ چیں کہتے ہیں کہ برطانوی حکومت کی بجائے مسٹر جناح کو پیشکش بھیجنی چاہئے تھی۔ مگر میں نے برطانوی حکومت کو یہ پیشکش ہرگز نہیں دی۔ البتہ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اس نے اسے دل میں جگہ دی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اگر میں سب سے پہلے یہ پیشکش مسٹر جناح کو دیتا تو یہ غیر مناسب ہوتا۔ وہ جائز طور پر خیال کرتے کہ ہماری ہتک کی گئی ہے اور کہتے کہ میں عہدوں کا خواہشمند نہیں ہوں"۔

میں پوچھتا ہوں کہ اگر مسٹر ایمری یہ پیشکش قبول کر لیتے اور اس کے بعد یہ میرے پاس آتی تو کیا میں پھر بھی وہی جواب دے سکتا تھا؟ کیونکہ پیشکش بھی وہی اور اس کی شرائط بھی وہی تھیں چنانچہ میں بقول مسٹر راجگوپال اچاریہ اب یوں کہتا ہوں کہ "لیجئے مسٹر ایمری اور مسٹر راجگوپال اچاریہ دونوں نے مل کر میری توہین کی ہے اور مجھے عہدوں کا متلاشی قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ دوسروں کی نسبت کچھ تھوڑا سا تو مان لیجئے کہ وہ فہم عامہ رکھتے ہیں۔ بتایئے تو کہ کیا یہی ہے تشریح اس طریق عمل کی جو پیشکش کے متعلق اختیار کیا گیا۔

ایک آنریبل ممبر۔ باقی حصہ بھی پڑھ ڈالئے۔

مسٹر جناح۔ سنئے وہ یوں کہتے ہیں کہ "اگر مسٹر جناح اسے قبول کر لیتے تو اسے عمل میں لانا ان کے اختیار میں اسی وقت ہوتا جب کہ برطانوی حکومت پہلے اس امر کا عہد کر لیتی کہ ہم اختیارات منتقل کرنے کیلئے تیار ہیں۔ الغرض ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر مسٹر جناح اسے مان لیتے تو مجھے یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ اسے عمل میں لا سکتا"

اس پر بھی میری عرض یہ ہے کہ اختیار نہ تو مسٹر راجگوپال اچاریہ کو حاصل تھا اور نہ مجھے۔ بہر حال برطانوی حکومت کا تازہ ترین فرمان یہ ہے کہ "اگر آپ دونوں یعنی ہندو اور مسلمان باہمی قول و قرار کے بعد ایک متفقہ فیصلہ منظور کریں تو ہم اس پر غور کرنے کو تیار ہیں جب صورت حال یہ ہے تو مسلم لیگ سے بالا بالا یہ پیشکش برطانوی حکومت کے سامنے لانے سے کیا فائدہ ہوا؟

ایک آنریبل ممبر۔ ہم باہمی اتفاق و اتحاد کر سکتے ہیں بشرطیکہ حکومت برطانیہ اختیارات منتقل کرنے پر رضامند ہو۔

مسٹر جناح۔ میں کہونگا کہ اختیارات دے ڈالنے کے متعلق برطانوی حکومت اس حد تک نہیں گئی جہاں تک آپ پہنچنا چاہتے ہیں۔ مگر اتنا تو برطانوی مختاران کار نے کہدیا ہے کہ ہم جملہ سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں کو حکومت مرکزی میں شامل کرنے پر رضامند ہیں تاکہ وائسرائے کی مجلس منتظمہ کی توسیع کر کے نمائندگان ہند کو حکومت ہند میں ایک اہم حصہ دیدیں۔" میرے نزدیک یہ آخری لفظ ہرگز نہیں اسمیں بھی تغیر و تبدل ہو سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ سیاسیات میں آخری لفظ کبھی زبان پر نہیں لایا جاتا۔ ہاں اگر آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ آپ کو ایک ایسا ہی کورا چیک دے دیں جیسا کہ مسٹر گاندھی مجھے پچیس سال سے دے رہے ہیں تو یہ خیال بیکار ہے۔ اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن اگر آپ کوئی قابل عمل تجویز کریں تو ہم ایک متفقہ مطالبہ مسٹر ایمری یا یوں بھی کہئے کہ برطانوی پارلیمان یا برطانوی قوم سے کر سکتے ہیں۔

ایک آنریبل ممبر۔ کانگرس پارٹی تو خاموش ہے۔

مسٹر جناح۔ بات یہ ہے کہ نہ تو مجلس باشندگان اور نہ کامل آزادی ہندوستان کے تمام امراض کا علاج ہے میری شکایت یہ ہے کہ آپ اپنی اس بات پر قائم نہیں ہیں اگر ہوں تو میں کہونگا کہ خدا کا فضل تمہارے شامل حال ہو۔ ہاں دیانت داری کے ساتھ قائم رہیے اس میں میں آپ سے اتفاق کروں یا نہ کروں مگر آپ کی عزت اور توقیر کرونگا۔ اور اگر آپ اس پر قائم رہنا نہیں چاہتے تو اس مطالبے کے آسمان سے اُتر کر زمین پر آیئے

اور پھر ہم سب بقول مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی اہل عمل بن کر واقعات اور حقائق کا سامنا کریں گے اور بقول برطانوی اخبار "مانچسٹر گارڈین" ہندوستان کی محکومیت جاری رہیگی - اخبار مذکور کہتا ہے کہ "سچی بات تو یہ ہے کہ ہم برطانویوں کی حکومت اور فوقیت کی حالت ہندوستان کے اندر اس سبب سے قائم ہے کہ دوسرے لوگ غلطیاں کرتے ہیں اور کرتے رہے ہیں یہ ہے موجودہ صورت حالات، ہندوستانی یعنی خود میں آئندہ کی نسبت کچھ نہیں کہتا - اب میں ایک آخری فقرہ کہہ کر اپنی تقریر ختم کروں گا - جب ہم اس معصوم بچے کی نسبت باتیں کرتے ہیں جو پیش کیا جا رہا ہے یعنی یوں کہتے ہیں کہ عارضی قومی حکومت مرتب کیجائے اور یہ حکومت ہندوستان کی مجلس قانون ساز کے منتخب ممبروں کے سامنے جوابدہ ہو تو بعض امور اہم فراموش کر دیتے ہیں - اصل معاملہ یہ ہے کہ جب آپ مطالبہ مذکور کی تفصیلات کا امتحان کرینگے تو نہایت دور رس ضرورتیں پیدا ہونگی - اس کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ کے مطالبے کے مطابق نئی حکومت یا کابینہ مرتب کرنے کے لئے آئین موجودہ میں بہت سی تبدیلیاں کرنی پڑیں گی - صرف اس صورت میں یہ عارضی قومی حکومت صرف منتخب ممبروں کے سامنے جوابدہ ہو سکے گی - مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے اپنی تقریر کے دوران میں دو امور پر زور دیا یعنی جمہوریت، جمہوریت، جمہوریت پکارتے رہے اور ایک عارضی قومی حکومت مانگتے رہے مگر اس سے کیا حاصل ہوگا؟ نئی حکومت، نیا کابینہ چاہے کیسا ہی ہو اور وہ ذمہ دار بھی ہو اس مجلس قانون کے سامنے مگر پھر بھی یہ مجلس ایسی ہوگی جس کی دو تہائی منتخب ممبر مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی یا کانگرس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کریں گے - میرے نزدیک وہ شخص قابل رحم ہوگا جو اس کابینہ حکومت میں تو شامل ہو مگر کانگرس کے احکام اور کانگرس کے فرمان کی متابعت نہ کرے -

---

قائداعظم

کی تقریر جو آپ نے ۵ ؍ دسمبر سنہ ۱۹۴۰ ئہ کو کراچی میں ارشاد فرمائی،

حضرات! دوران جنگ کے لئے مرکز میں ایک ایسی عارضی حکومت جس میں تمام بڑی بڑی پارٹیوں کے نمائندے شامل ہوں قائم کرنے میں وائسرائے اور مسٹر امیری وزیر ہند کی ناکامی کی وجہ برطانوی حکومت کی کمزور، متزلزل اور غیر فیصلہ کن حکمت عملی ہے۔ اس کے متعلق اگر مسٹر گاندھی اور کانگرس اور ہندو مہاسبھا کے مطالبات مان لئے جائیں تو نتیجہ نہ صرف یہ ہوگا کہ موجودہ آئین ہند میں دور رس اور بنیادی تبدیلیاں کی جائیں بلکہ دوران جنگ کی اس عارضی حکومت میں بھی اصولی اور بدیہی طور پر ہندوستان کی مستقل ہندو اکثریت کو فوقیت حاصل ہو اور اختیارات حکومت بھی اسی کے قبضے میں رکھے جائیں۔ اگر برطانوی حکومت ان مطالبات کے آگے جھک جائیگی تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو کانگرس کا حلقہ بگوش بنا دیا گیا۔ اور انھیں کانگرس کے فیصلوں کے مطابق عمل پیرا ہونے پر مجبور کیا گیا۔

ہم مسلمان اسے ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اس کے سد راہ بننے میں کوشاں ہیں۔ لیکن ہمارے اس خیال اور عمل کا مطلب دیدہ و دانستہ غلط سمجھا اور پیش

کیا جاتا ہے۔ اور ناانصافی سے کہا جاتا ہے کہ ہم ہندوستان کی مرکزی مجلس قانون ساز میں حق تنسیخ کے طلبگار ہیں۔ (یعنی جب اراکین اکثریت کثرت رائے حاصل کر کے کوئی قانون وضع کریں تو ہم اگر چاہیں تو اقلیت ہونے کے باوجود اس کو اپنی رائے سے منسوخ کر دیں اور قانون نافذ نہ ہو سکے۔ مترجم) گویا ہمیں کہا جاتا ہے کہ ایک ایسا کھیل کھیلیں جس کے قواعد و ضوابط کانگرس خود غرضانہ اور فریبانہ طریق سے وضع کرے۔ ہم یہ صورت حالات قبول نہیں کر سکتے۔

حضرات! مسٹر گاندھی نے مذاکرات اور قول و قرار کے بجائے ستیہ گرہ کا وسیلہ اختیار کیا ہے۔ وہ ستیہ گرہ کی پستول ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں۔ ہندو مہاسبھا بڑی سنجیدگی سے اس معاملہ پر غور کر رہی ہے کہ اگر برطانوی حکومت نے ہمارے مطالبات نہ مانے تو کب اور کس قدر جلد ہم بھی ستیہ گرہ کا ہتھیار اٹھائیں ان لوگوں کا اپنا تو یہ حال ہے مگر مسلم لیگ کی نسبت جو ہندوستان کے مسلمان کی زبان ہے یہ کہتے ہیں کہ اس نے ایک ایسا رجحان اختیار کر رکھا ہے جو رفع داد باہمی یا سمجھوتہ کے منافی ہے۔

اس ضمن میں ہمارے مخالفین نے مسلم لیگ کے خلاف ایک پرزور پروپیگنڈہ جاری کر دیا ہے۔ جس کا امتیاز خصوصی دروغ بافی ہے اور ہمارے اصل خیالات کی غلط تشریح ۔۔۔! اس کا سبب مسلم لیگ کا مسلمانوں کی طرف سے یہ دعویٰ ہے کہ ہم ایک اقلیت کی حیثیت قبول نہیں کر سکتے اور ہمیں عارضی حکومت میں برابر کا حصہ ملنا چاہئے۔ تاکہ جنگ کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھنے میں اسلامی ہند سے کامل اور صادق اور پرجوش امداد حاصل کی جا سکے۔ بہر حال ہم مخالفین کے پراپاگنڈا

سے ہرگز نہیں گھبراتے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارا مقصد راستی اور انصاف پر مبنی ہے دروغ بافی اور غلط گوئی کی بنا پر کوئی پراپاگنڈا کامیاب نہیں ہو سکتا۔ الغرض میں آپ کو تاکید کرتا ہوں اور اصرار کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ مسلمانوں کو منظم کریں تاکہ ہم متحد ہو کر مخالفین کا مقابلہ کر سکیں۔

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے مسلم سٹوڈنٹس یونین کے اجلاس میں ۲۸ دسمبر ۱۹۴۰ء
کو بمقام احمد آباد ارشاد فرمائی،

حضرات! ہندوستان کی تقسیم عمل میں آنی چاہیئے تاکہ ہندو اور مسلمان نہ صرف دوستوں
اور خیرخواہ ہمسایوں کی طرح یہاں بود و باش رکھیں بلکہ اپنی فطرت اور جبلت کے مطابق
پھلیں پھولیں اور ترقی کریں۔ اگر ہندوؤں کی کوشش یہ ہوگی کہ سارا ہندوستان
لے لیں تو وہ سارا کھو بیٹھیں گے۔ اور اگر وہ ایک تہائی ملک مسلمانوں کے حوالے کریں گے
تو باقی دو تہائی ان کی ہی ملک رہے گا۔ ہندو صوبوں کی مسلمان اقلیتیں اپنی قسمت پر
قانع رہیں گی اور صوبجات اکثریت کے مسلمانوں کی راہ آزادی میں سدراہ نہ بنیں
گی۔ میں مسلمانوں سے یہ نہیں کہتا کہ صوبجات اکثریت اہل ہنود سے وہ سب کے سب
نقل مکان کریں اور پاکستان میں جب وہ قائم ہو آبسیں۔

میرا خاص منشا یہ ہے کہ صوبجات اکثریت اسلامیان جہاں پاکستان کا قیام
پہلے ہی عمل میں آگیا ہو۔ اکثریت ہنود کی مرکزی حکومت کے دست قدرت میں نہ ہوں
مرکز میں ایک وحدانی حکومت کے قیام کا تصور اب مٹ گیا ہے لیکن اگر کسی وقت
اسے از سر نو زندہ کرنے کی کوشش کی گئی تو مسلمان اس کا سخت مقابلہ کریں گے۔ اس کا

سبب ظاہر ہے۔ اگر پاکستان وجود میں نہ آیا تو مسلم اکثریت کے صوبوں کی ہندو اقلیتیں اس امر کو ناممکن بنادینگی کہ مسلم وزارتیں حکومت کی کَل چلا سکیں کیونکہ ان اقلیتوں کی پشت پر ہندو اکثریت والی مرکزی حکومت ہوگی جو ان کو اس معاملہ میں مدد دیگی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر اعتبار سے اور عملاً مسلم اکثریت کے صوبوں کی حکومتیں مرکزی حکومت کی باج گزار بن کر رہ جائیں گی۔

حضرات! ہندو مہاسبھا کھلے طور پر اور لگی لپٹی روا رکھے بغیر اس امر کا ثبوت اپنے قول و فعل سے دے رہی ہے کہ ہم سارے ہندوستان میں ہندو راج چاہتے ہیں۔ کانگرس پکارتی ہے کہ ہندوستان کو جمہوریت اور مشترکہ حلقہ ہائے انتخاب کی ضرورت ہے اور ایسی مرکزی حکومت کی حاجت جو مرکزی مجلس قانون ساز کے صرف منتخب اراکین کے سامنے جواب دہ ہو۔ لیکن اپنے کامل معنی میں آج جمہوریت دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ یہاں تک کہ انگلستان میں بھی حکمرانوں کی ایک جماعت ہی کی حکومت ہے۔ لیکن ہندوستان میں ایسی جمہوریت کا بھی امکان نہیں۔ مذہب تو بجائے خود رہا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں معاشرتی اور اقتصادی لحاظ سے کوئی چیز مشترکہ نہیں۔ وہ عناصر جن سے قوم بنتی ہے اور فیصلہ قومی کا اظہار کیا جاتا ہے یہاں موجود نہیں کہ ہم ہندوستان والے انگلستان ایسی نام نہاد اور کمزور سی جمہوریت ہی اختیار کر لیں۔

حضرات! مرکز میں ایک قومی حکومت جو فقط اراکین منتخب کے سامنے جوابدہ ہو محض اس طرح قائم کی جا سکتی ہے اور جاری رہ سکتی ہے کہ وہ ایک مستقل ہندو اکثریت کی فرمانبرداری کرے۔ اس صورت میں مسلمانوں کو اور دوسری اقلیتوں کو ہر

لحاظ سے ہندو راج کے رحم پر چھوڑنا پڑے گا۔ میں متعجب ہوں کہ ایسی صورت حالات خود مسٹر گاندھی کے لیئے خوشگوار ہو سکتی ہے

حضرات! اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب کسی مشترکہ کنبہ کے دو سگے بھائیوں کے لئے مل کر رہنا ناممکن ہو جائے تو وہ جائداد تقسیم کر لیتے ہیں اور اس طرح باہمی صلح صفائی بحال ہو جاتی ہے اور ان کے تعلقات پہلے سے بھی بہتر ہو جاتے ہیں۔ پس ہمیں بھی چاہیئے کہ ہندوستان کو تقسیم کر لیں۔ کیونکہ ہمیں یقین واثق ہے کہ ہم صلح و آشتی کے ساتھ اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ تہذیب و تمدن اور مذہب و طرز معاشرت کے اعتبار سے ہمارے باہمی اختلافات بلکہ مخالفتیں اس حد تک بڑھی ہوئی ہیں کہ مشترکہ کنبہ کے دو بھائیوں کی مثال ان کے سامنے ہیچ ہے۔

قائداعظم

کی تقریر جو آپ نے مُسلم پروگریس سوسائٹی کے سپاسنامہ کے جواب میں
۳ جنوری سنہ ۱۹۴۱ء کو بمقام بمبئی ارشاد فرمائی

حضرات! ہمارے مطالبہ پاکستان کے ضمن میں اہم ترین سوال یہ ہے کیا یہ ممکن ہے کہ سارے ہندوستان کیلئے ایک وحدانی مرکزی حکومت قائم کیجاسکے جو چالیس کروڑ انسانوں پر حکومت کرے؟ اس قسم کی نظام حکومت کے ماتحت آبادی تین ہندوؤں اور ایک مسلمان کی نسبت سے ہوگی اس کے یہ معنی ہونگے کہ ہندوؤں کی فتویٰ اور فرمان کی تعمیل پر سب مجبور ہونگے اس ملک کے اندر جمہوریت اور حملہ بالغان کیلئے حق رائے دہندگی سے ہندو راج مراد ہے یہی وجہ ہے کہ تدبیر پاکستان کی ضرورت لاحق ہوئی مگر اس سے مسلمانوں کا یہ مقصد نہیں کہ فریب کاریوں اور حیلوں کے ذریعے سارے ملک پر فوقیت حاصل کریں مسلم لیگ فقط یہ چاہتی ہے کہ مسلمانوں کو ان دو طبقات ملک میں حکمرانی اور اپنی تہذیب و تمدن کے نشو و نما کا موقع مل جائے جنھیں وہ اپنا وطن سمجھتے ہیں چنانچہ ہم ہندوؤں کو کہتے ہیں کہ دوسرے حصوں میں آپ اپنی حکومتیں قائم کیجیے اور اپنی فطرت و جبلت کے مطابق ترقی کیجیے خدا آپ کی کوششوں کو بارآور کرے۔

حضرات! ہمیں اپنے ان مسلمان بھائیوں کے متعلق تشویش نہ کرنی چاہیے جو بعض صوبوں میں اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی آبادی اڑھائی کروڑ ہے سوال یہ ہے کہ کیا ان کو کل ہند کی وحدانی حکومت کے ماتحت رہنے سے کچھ فائدہ ہوگا جب کہ طبقات اسلامیہ کی ساڑھے چھ کروڑ مسلمانوں کی اکثریتیں اس وجہ سے اقلیت میں تبدیل ہو جائینگی؟ میں کہتا ہوں کہ صوبہ بمبئی کی مسلمانوں کی اقلیت اپنی قسمت پر قانع رہنے اور ناساعد حالات پر عہدہ برآ ہونے پر رضامند ہے تاکہ پاکستان کی مسلمانوں کی اکثریت کو فوقیت ہو وسے اور مستقل طور پر اقلیت کی حیثیت اختیار کیے رکھنے سے مخلصی حاصل ہو۔ حضرات! میں نے آج تک پاکستان کے خلاف کوئی صحیح دلیل نہیں سنی بلکہ پاکستان کی ہر رنگ تکمیل سے ہندوستان کی فضا بہتر ہو جائیگی۔ مسٹر گاندھی اور کانگریس اور ہندو مہاسبھا سارا ہندوستان مانگتی ہیں جو ناممکن ہے لیکن اگر وہ حریص نہیں تو غالباً دو تہائی ان کو مل رہے گا۔ ان کو لازم ہے کہ ایک تہائی ہمیں دے دیں اور سارا جھگڑا مٹائیں ۔۔۔!

قائداعظم

کی تقریر جو آپ نے مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ کے اجلاس میں ۱۰ مارچ ۱۹۴۱ء

کو ارشاد فرمائی

[یہ اجلاس اس مقصد کے لئے منعقد کیا گیا تھا کہ قائد اعظم قرار داد لاہور متعلقہ پاکستان پر روشنی ڈالیں]

حضرات! میں طلبائے علی گڑھ کا بیحد شکر گذار ہوں کہ انھوں نے کس خلوص و محبت اور الفت و التفات سے میرا خیر مقدم کیا۔ جب پچھلے سال میں نے آپ سے خطاب کیا تھا تو ابھی قرارداد لاہور یا قرارداد پاکستان وضع نہ کی گئی تھی۔ مگر میں نے دیکھ لیا تھا کہ آپ اس امر کے لئے مضطرب ہیں کہ قرارداد لاہور کے نصب العین کا اعلان کیا جائے۔ مجھے ہندوستان کے دیگر حصوں کے مسلمانوں میں بھی یہی احساس نظر آیا۔ چنانچہ لاہور میں جو کچھ کیا گیا یہی تھا کہ ہمت کر کے ان تمناؤں کا اظہار کر دیا جائے۔ اس پر تمام ہندو اخباروں اور ہندو لیڈروں کو گویا مالیخولیا ہو گیا۔ انھوں نے مخالفت کا ایک طوفان اٹھایا۔ مگر ان کے اخباری پراپاگنڈہ۔ بدزبانی۔ دروغ بافی اور شوریدہ دیوانگی کے سبب ہمارے خیالات میں فرق مطلق نہیں آیا۔ میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ جمہوری اور پارلیمانی نظام حکومت جو انگلستان اور دیگر مغربی ممالک میں رائج ہے ہندوستان کے لئے قطعاً غیر موزوں ہے۔ کانگریس کے اخبارات مجھے آزادی ہند کا دشمن کہہ کر مطعون کرتے

ہیں۔ مگر اصحاب فکر پر رفتہ رفتہ صداقت روشن ہو رہی ہے۔

حضرات! ہندوستان میں برطانوی حکمت عملی دو ستونوں پر قائم کی گئی ہے۔ یعنی ہندوستان ایک وجود واحد ہے اور دوسرے یہ کہ آئین ہند کی بنیاد مغربی نمونے کا جمہوری نظام ہونا چاہئے لیکن مسلمانان ہند نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ ہم اصطلاح اقلیت کے مستند معنی کے اعتبار سے اقلیت نہیں ہیں بلکہ ایک قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر ہندوستان میں کبھی کسی قوم واحد کا وجود نظر آیا تو وہ ہم ہیں۔ مسٹر ایمری وزیر ہند بھی یہ امر تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ "نو کروڑ مسلمان کل ہند کا ایک علیحدہ جزو ہیں نہ کہ محض ایک اقلیت بہ لحاظ تعداد۔ اس لئے کوئی آئین جسے وہ قبول نہ کریں ان پر جبراً عاید نہیں کیا جا سکتا۔" میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آج وہ ستون تو پارہ پارہ ہو کر بالکل تباہ ہو گیا ہے جو سارے ہندوستان کو ایک وحدانی وجود قرار دیتا تھا (بلند نعرہ مسرت) دوسرا ستون ہے جمہوریت۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ خود یورپ میں اس کی نسبت کیا خیال کیا جاتا ہے۔ پھر ہمیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ ہندوستان کے حق میں اسے کیا سمجھنا چاہئے" مسٹر ایچ۔ جی۔ ویلز" اور "سالویڈ ورڈی میڈاریگا" جیسے اہل الرائے نے اپنی تحریروں میں ثابت کیا ہے کہ یورپ میں جمہوریت کا قلع قمع ہو رہا ہے۔ وہاں جمہوریت کے پردہ میں اصحاب فرصت و فراغت کی جماعت اُمرا حکومت کرتی ہے لیکن اگر مغربی ممالک اور بالخصوص انگلستان میں جمہوریت تھوڑی بہت کامیاب ہو رہی ہے تو اس کا سبب وہاں کے خاص حالات ہیں۔ جمہوریت صرف ایسے ملک میں عمل پذیر ہوتی ہے جہاں ایک قوم اور ایک سماج آباد ہو۔ باشندگان انگلستان یقیناً ایک قوم پر مشتمل ہیں۔ زندگی کے لازمی اور لابدی حقائق کے اعتبار سے ان کے اغراض اور خیالات مشترکہ ہیں۔ دنیا کے کسی ملک میں بھی جہاں دو قومیں یا دو سماجیں ہوں ایسی کمزور جمہوریت بھی نہیں ملتی جو انگلستان میں رائج ہے۔ اگر

ہندوستان کے اندر جمہوریت قائم کی جائے تو لازمی طور پر سماج کی حاکم ایک مستقل اور سدا بہار اکثریت ہوگی۔ دنیا کوئی ایسی مثال پیش نہیں کرتی جہاں دو قوموں کو ایک وحدانی آئین کا جبراً پابند بنایا گیا ہو۔ ہم کو اصل واقعات سے تجربہ ہو چکا ہے کہ کس طرح برطانوی پارلیمانی نظام حکومت سے ہندوستان کے تمام غیر ہندو فرقوں پر ہندوؤں کی کامل فوقیت عمل میں آئی۔ مسلمان اور تمام اقلیتیں اپنی طاقت کھو بیٹھیں اور آئین مروجہ (بروئے قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء) کے ماتحت اختیارات حکومت میں کوئی حصہ حاصل کرنے سے مایوس ہو گئیں۔

حضرات! ان تمام چیزوں میں جو زندگی کے لوازمات عظیم ہیں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اختلاف و تفریق ہے۔ حقائق سے آنکھیں بند کرنا بیکار ہے۔ خود ہندوؤں کے اندر اختلافات ہیں۔ علیحدہ علیحدہ ذاتیں ہیں۔ جدا جدا گوتیں ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی ان سب نے قطعی طور پر ایک غیر جمہوری سماج بنا رکھی ہے۔ بایں ہمہ وہ یکایک جمہوریت کے عاشق ہو گئے ہیں۔ جمہوریت کے بغیر بات ہی نہیں کرتے (قہقہہ) حال ہی میں بمبئی میں بیرا کی کا ایک تالاب محض ہندوؤں کے استعمال کے لئے تعمیر کیا گیا۔ یہ لوگ تو مسلمانوں کے ساتھ سمندر میں بھی نہانے کو تیار نہیں۔ میں ہندوؤں کے احساسات کی ہنسی نہیں کرنا چاہتا میں ہر شخص کے مذہبی اعتقادات کا احترام کرتا ہوں۔ ان باتوں کی طرف اشارہ کرنے سے میرا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات کس قدر گہرے ہیں یہ فرض کر لینا کہ اختلافات موجود نہیں ہیں اور پھر اس بنیاد پر ہندوستان کے لئے آئین تعمیر کرنا دانائی نہیں۔ اگر اہل ہنود ان حقائق اور مشکلات کو نظر انداز کر دیں گے جو ہندوستان کو ایک سیدھے سادے جمہوری نظام میں داخل کرنے کی راہ میں حائل ہیں تو وہ خود اپنے بھائیوں کو شدید ترین نقصان پہنچائیں گے۔ وہ جمہوریت جسے وہ ہندوستان پر بزور عائد کرنا چاہتے ہیں ناممکنات میں سے ہے کیونکہ وہ حالات بھی تو یہاں موجود نہیں جنھوں نے دوسرے

ملکوں میں ایک ہلکی اور کمزور سی جمہوریت ممکن بنا رکھی ہے یہ خیال جس قدر جلد ترک کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے قرارداد لاہور منظور کی جو اس امر کی وکالت کرتی ہے کہ ان طبقات میں یعنی شمال مغربی اور شمال مشرقی ہند جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان کی آزاد اور خود مختار ریاستیں قائم کی جائیں۔ اور یہاں رہنے والی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت حکماً یعنی آئین و قانون کے ذریعے سے کی جائے۔ تدبیر تقسیم کو سمجھنے کے لئے کسی بہت بڑے عالم یا فاضل قانون دان کی ضرورت نہیں لیکن اس پر غور کرنے کی تکلیف اٹھائے بغیر ہی کانگرس اور دوسرے ہندوؤں کے حلقے میں شور و واویلا بلند ہونے لگا۔ گویا پاکستان ایک ہیبت ناک خواب تھا یا خطرناک جنون۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کا وجود صدیوں سے موجود ہے۔ وہ آج بھی زندہ ہے اور فردائے قیامت تک زندہ رہے گا۔ (نعرۂ تحسین) یہ ہم سے لے لیا گیا تھا۔ ہمیں اسے واپس لینا ہے۔ ہندوؤں کو اس پر کیا حق حاصل ہے؟ ہمیں اپنی ملکیت کے قبضے میں لانے سے کون روک سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خود ہم سے بڑھ کر ہندوؤں کے مفاد کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ مسلم لیگ بار بار آخر کیا کہتی ہے؟ فقط یہ کہ وہ طبقے جہاں مسلم آبادی کو صاف اور بین اکثریت حاصل ہے انھیں الگ کر کے آزاد ریاستیں قائم کی جائیں اور جہاں جہاں ضرورت ہو زمین کی موجودہ حدود میں ردّ و بدل کیا جائے۔ اس تدبیر و تجویز کے ماتحت ہندوؤں کو دو تہائی ہندوستان ملیگا جہاں وہ اپنی ریاستیں قائم کر سکتے ہیں۔ ان کو اپنے جائز حصے پر قناعت کرنی چاہیئے۔ ان کو سارا ہندوستان کبھی نہیں مل سکتا۔ میں آپ کو آگاہ کر سکتا ہوں کہ برطانوی اور کانگرسی حلقوں میں یہ احساس روز بروز ترقی کر رہا ہے کہ تقسیم ہند دونوں اقوام کی اغراض و مفاد کی بہتری کا بہترین وسیلہ ہے۔

حضرات! پاکستان کے خلاف اب پرانے اقوال ترک کر دیئے گئے ہیں مثلاً ہندوستان کی

چیر پھاڑ کرنا مادر گاؤ اور مادر ہند کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دینا وغیرہ۔ اس کی بجائے اب دلائل نے اور ہی رنگ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ پوچھا جاتا ہے کہ تقسیم کے سبب ہندوستان کی حفاظت اور سلامتی میں فرق تو نہ آئے گا۔ ہندو اخبارات نے یہ خوفناک ہوّا کھڑا کیا ہے کہ "اگر ہندوستان کی تقسیم کی گئی تو مسلمان سارے ملک میں تگ و تاز کریں گے۔" مگر یہ ایک بے بنیاد بہتان ہے۔ کیونکہ اگر ہندوؤں کی خوفزدگی کی یہ کیفیت ہے تو بتائیے کہ وہ سارے ہندوستان پر کس طرح حکومت کر سکیں گے؟ پاکستان میں سات کروڑ سے زیادہ مسلمان نہ ہوں گے بحالیکہ ہندو ہندوستان میں بائیس کروڑ ہندوؤں سے کیا کم ہوں گے؟ پھر یہ کہا جاتا ہے کہ "ہندوستان کی سلامتی کے حق میں تقسیم بُری ثابت ہوگی کیونکہ آج تک تمام بیرونی حملے شمال مغرب کی طرف سے ہوئے ہیں اور خود پاکستان ان حملوں کی مدافعت اور حملہ آوروں کا مقابلہ نہ کر سکے گا مزید برآں فقط ایک متحدہ اور جمہوری ہندوستان ہی ان حملوں کو روک سکیگا اس لئے ایک مرکزی جمہوری حکومت کا ہونا لازم ہے۔" گویا بیرونی حملوں سے حفاظت صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایک مرکزی حکومت ہو اور ان لوگوں کو انتخابات میں اکثریت حاصل ہو (قہقہہ) ہمارے ہندو دوست ہندو اکثریت کے صوبوں کی مسلم اقلیتوں سے یہ پوچھتے ہیں کہ بھلا آپ کو پاکستان سے کیا فائدہ ہوگا آپ کو ہندو یقیناً نقصان پہنچائیں گے۔" حضرات! شمال مغربی حملوں کے ضمن میں میں پوچھتا ہوں کہ پرتگیز کدھر سے آئے تھے؟ فرانسیسی کس طرف سے؟ اور ہمارے برطانوی آقا کس جانب سے؟ کیا یہ تینوں بھی درہ خیبر میں سے گزر کر آئے تھے؟ یہ لوگ سمندر کے ساحلوں سے آئے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ جدید جنگ کے طریق سرحدوں سے نا آشنا ہیں فیصلہ کن ہتھیار فضائی لشکر ہے دول بری اور بحری کی اب ثانوی حیثیت ہو گئی ہے اس لئے ہمیں خیر خواہ ہمسایوں کی طرح رہنا چاہئے۔ ہندو جنوب اور مغرب کی حفاظت کریں اور مسلمان شمال اور مغربی سرحدوں کی۔ اس طرح ہم متحد اور مستحکم ہو کر دنیا کو کہہ سکیں گے کہ "ہندوستان سے دور ہی دور رہئے۔ ہندوستان ہندوستانیوں کے لئے ہے" (نعرۂ تحسین)

حضرات! ہمارے مخالفین کا دوسرا اعتراض مسلمان اقلیتوں سے متعلق ہے۔ مگر اس میں کوئی زور نہیں۔ وزن نہیں مسلم اقلیت کے صوبوں کے مسلمان وضعدار ہیں۔ وہ ہمت ور ہیں چنانچہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ "ہم اپنے ان بھائیوں کی مخلصی اور آزادی کے لئے ہر قسم کی تکلیف اٹھانے اور قربانی کرنے کو تیار ہیں جو مسلم طبقات اکثریت میں آباد ہیں۔ اگر ہم ان کی راہ روکیں گے اور انہیں گھسیٹ گھسیٹ کر اپنے ہمراہ ایک وحدانی ہند میں لے جائیں گے تو انہیں بھی ایک اقلیت ہی بنا ڈالیں گے۔ مگر ہم عزم راسخ کر چکے ہیں کہ ہم پر چاہے کتنی ہی بپتا پڑے ہم اپنے بھائیوں کو ہندوؤں کا غلام نہ بننے دینگے"۔

حضرات! امر واقعہ یہ ہے کہ آزاد ریاستوں کی تخلیق بجائے خود اس امر کی یقینی اور کامل ضمانت ہے کہ اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جائے گا۔ اور جب مشورے اور مذاکرے کا وقت آئے گا تو صوبجات اقلیت کے مسلمانوں کے حقوق کی پوری پوری پیروی کی جائیگی پاکستان ایک خیالی منزل مقصود نہیں بلکہ عملی لحاظ سے یہی ایک چیز ہے جس کے ذریعہ آپ اس ملک میں اسلام کو قطعاً فنا ہونے سے بچالیں گے۔ اس کے لئے ابھی ہمارا سفر طویل ہے۔ پاکستان تو موجود ہے مگر ہمیں اس کو قبضے میں لانا ہے۔ آزادی کا ہاتھ آنا آسان ہے مگر سنبھالنا مشکل، انگلستان اور امریکہ آزاد اور خود مختار ہیں مگر انہیں اپنی آزادی کے قیام کے لئے کس قدر شدید جد وجہد کرنی پڑتی ہے۔ ہمیں اپنے آپ کو تیار کرنا ہوگا۔ ہاں اپنی قوم کو طاقتور بنائیے۔ اور اسے تعلیم، صنعت وحرفت اور تجارت کے لحاظ سے اور حفاظت ملک کے لئے تیار کیجئے۔ ہمارے لئے یہ دو مسئلے بڑے اہم ہوں گے یعنی اندرونی امن وامان کا قائم رکھنا اور بیرونی دشمنوں کو روکنا۔ چرخے کاتنے سے آزادی حاصل نہیں ہوسکتی نہ قائم رکھی جاسکتی ہے۔ ہمیں اپنے گھروں کی حفاظت کے لئے اور اپنے محبوب نصب العین کے لئے لڑنے مرنے

کو تیار رہنا ہوگا۔ پاکستان کا وجود میں لانا آپ کے اختیار میں ہے۔ اگرچہ ہندوستان اس وقت جنگ کے میدانوں سے دُور ہے مگر ایک قسم کی جنگ یہاں بھی جاری ہے۔ پس میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ تیاری کیجئے اور ہر آنے والی ضرورت سے عہدہ برآ ہونے کے اہل بن جائیے۔ علی گڑھ اسلامی ہند کا قلعہ ہے اور آپ لوگ بہترین سپاہی ہیں۔ دیہات میں نکل جائیے وہاں عامہ خلائق کو تعلیم دیجئے اور ان کو ہر طرح سے ترقی کرنے میں مدد بہم پہنچائیے۔ اپنی قوم کے ہر فرد کو بتائیے کہ ہماری منزل مقصود کیا ہے۔ بہت سے لوگ ان لاعلم لوگوں کو گمراہ کرنے میں کوشاں ہیں۔ ہاں ان غریبوں کو اچھی طرح سے سمجھا دیجئے۔ پھر وہ اپنی منزل کی راہ پر گامزن ہو جائیں گے۔

حضرات! پچھلے چند سال میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کی گراں بہا خدمت کی ہے۔ ان کا وقار اور احترام بڑھایا ہے۔ یہاں تک کہ آج ہم ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ ایک جدا وحدانی وجود تسلیم کئے جانے لگے ہیں جسے اپنے وطن اور اپنی جدا ریاست کا حق حاصل ہو گیا ہے۔ ہمیں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے ایک پُر جلال اور انتہائی کوشش کرنی ہوگی، کانگرس اور مسٹر گاندھی کی سازشوں اور حیلوں کے باوجود آج مسلم لیگ ایک مصدقہ طاقت ہے۔ پچھلے سال مسٹر گاندھی مجھے ملنے کے لئے دہلی آئے۔ نہیں وہ اسلامی ہند سے ملاقات کرنے آئے کیونکہ میں ماسوا اس کے کچھ نہیں کہ اسلامی ہند کا نمائندہ ہوں (نعرۂ تحسین) ہندوستان میں برطانوی حکومت کے قیام کے بعد کبھی کوئی زمانہ ایسا آیا ہے کہ حکومت نے مسلمانوں کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کیا ہو اور ان سے خوف بھی کھایا ہو؟ مسلم لیگ کی آواز دنیا کے گوشے گوشے یہاں تک کہ چین اور امریکہ میں پہنچ گئی ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ تنظیم۔ ابھی ہم نے اپنی قوم کی تنظیم اور اپنی قوتوں کے استحکام اور ضبط کے لئے صرف چند قدم اٹھائے ہیں۔ مگر

اس کے خوشگوار نتائج آپ کے سامنے ہیں۔ بہرحال ہمیں ابھی بہت سی کمی پوری کرنی ہے۔

حضرات! اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم روز بروز بیش از بیش توجہ تعمیری پروگرام کو دیں۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ آپ موسم گرما کی تعطیلات کا زمانہ اس کام میں صرف کریں۔ مثلاً نوسیع خواندگی۔ معاشرتی اصلاحات۔ اقتصادی بہتری اور پہلے سے بڑھ کر سیاسی شعور اور عام لوگوں کو ضبط و تادیب کی تاکید۔ ہم ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں مسلم آزاد ریاستیں قائم کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے اور ہندوؤں کے مابین صلح و آشتی کا رشتہ قائم ہو اور ہم دونوں پرامن طریق سے ایک دوسرے کے ہمسائے بن کر رہیں۔ اس ملک میں پائدار صلح اور امن اور مسرت عامہ کی بحالی کا یہی واحد وسیلہ ہے۔ مجھے قابل اعتبار ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ نہ صرف حکومت بلکہ کانگرس کے ذمہ دار حلقوں میں بھی ہماری تدبیر پاکستان پر سنجیدگی سے غور کیا جارہا ہے۔ پس آیئے اور اپنی منزل مقصود کی طرف قدم بڑھایئے۔ وقت آرہا ہے۔ اور جب آپ واقعی تیار ہوں گے تو میں بتاؤں گا کہ اب آپ کیا کریں۔

قائد اعظم

کی تقریر جو آپ نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کانپور کی پہلی کانفرنس کے
اجلاس میں ۳۰ مارچ ۱۹۴۱ئہ کو ارشاد
فرمائی

حضرات! گزشتہ تیس برس میں فرقہ دارانہ اتحاد کے لئے کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ مگر کوئی قرارداد باہمی وجود میں نہیں آئی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جن بنیادوں پر ہندو اور مسلمان لیڈروں نے مذاکرات اور قول و قرار کا کام اختیار کیا ایک دوسری سے قطعاً مختلف تھیں۔ ہندوؤں نے آغاز کار میں ہی یہ قرار دیا کہ مسلمان ایک اقلیت ہیں اور اس لئے ان کو بوجہ حیثیت اقلیت ضروری تحفظات دیئے جا سکتے ہیں اور مسلمانوں نے یہ فیصلہ کر کے گفتگو کی بنیاد ڈالی کہ ہم ایک علیحدہ وحدانی وجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ اندریں حالات کوئی سمجھوتہ کس طرح ہوتا۔ کانگریس نے سات صوبوں میں اختیارات حکومت پر قابض ہونے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ اقلیت کا سلوک کرنے سے یہ معاملہ بالکل واضح کر دیا۔ اس لئے مسلم لیگ کے پاس مسلمانوں کی منزل مقصود کی تعین و توضیح کرنے کے بعد کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ اس نے بتاریخ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء یہ کام لاہور میں پاکستان کی قرارداد منظور کر کے سر انجام دیا۔ کانگریس نوجوانان اسلام کو ایک مدت تک یہ کہکر دھوکہ دیتی رہی ہے کہ وہ ایک قومی انجمن ہے اور ملک کی آزادی کے لئے لڑ رہی ہے۔ مگر امر واقعہ یہ ہے کہ کانگریس ایک قومی ادارہ نہیں ہے۔ وہ ایک فاسستی مجلس عظمیٰ (فاسسٹ گرینڈ کونسل)

Fascist Grand Council) ہے اور ایک ایسے آمر کے دست قدرت میں ہے جو چار آنے چندہ دینے والا رکن بھی نہیں۔ اب مسلم لیگ نے کانگرس کی فریب کاریوں کا راز افشا کر دیا ہے۔ جب سے مسٹر گاندھی کانگریس میں آئے ہیں اس میں روحانیت کا ایک ایسا عنصر شامل ہو گیا ہے جو حال بد پیدا کر رہا ہے۔ مسٹر گاندھی کی آمریت نے یہ حقیقت کھول کر رکھدی ہے کہ کانگرس محض اور فقط ہندوؤں کا ایک فرقہ دارانہ ادارہ ہے مگر مسٹر گاندھی ہٹ دھرمی سے اس امر پر اصرار کیئے جاتے ہیں کہ کانگرس سارے ہندوستان کی زبان ہے مگر مجھے یقین ہے کہ وہ صرف ہندوؤں کی نمائندہ جماعت ہے اور پھر ان میں سے بھی سب کے سب کی نمائندگی نہیں کرتی۔

حضرات! راؤنڈ ٹیبل کانفرنس منعقدہ لنڈن کے مذاکرات کے دوران میں مسٹر گاندھی نے پنجاب میں بھی مسلمانوں کے لیئے اکیاون فیصدی نمائندگی نہ مانی۔ جب دونوں فرقوں کے درمیان سمجھوتہ نہ ہو سکا تو تدبیر پاکستان وضع کی گئی۔ میں غیر پاکستانی طبقات کی مسلم اقلیتوں کی نسبت کہونگا کہ ہم طبقات اکثریت کے سات کروڑ مسلمانوں کو مخلصی دلانے اور آزاد کرانے کے لئے اس امر پہ بھی بخوشی خاطر رضامند ہیں کہ اگر ضرورت ہو تو مسلم اقلیتوں کے شہید ہونے کی آخری رسم ادا کر دیں اور اس بات کی بھی پرواہ نہ کریں کہ دو کروڑ مسلمان پامال ہو جائینگے۔

قائد اعظم

کی تقریر جو آپ نے سٹی مسلم لیگ کانفرس کانپور کے اجلاس میں ۳۰ مارچ ۱۹۴۱ء
کو ارشاد فرمائی

حضرات! کانگرس کی حکمت عملی اور تحریک ستیہ گرہ ہندوؤں کیلئے شدید ترین مصیبت کا باعث ثابت ہونگے۔ ہندوؤں کو اور کانگرس کو لازم ہی کہ وہ مسلمانوں کے متعلق اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کر کے اس میں تبدیلیاں کریں۔

حضرات! پاکستان کا قیام بہت ضروری ہے اس حقیقت پر جہاں تک اصرار کیا جائے تھوڑا ہے موجودہ سیاسی تعطل کی ذمہ داری برطانوی حکومت اور کانگرس پر عائد ہوتی ہی۔ کانگرس کو دیوانگی کا مرض ہو گیا ہے اور کانگرسی لیڈروں کے تدبر کا دیوالہ نکل گیا ہے۔

مسلم لیگ نے دفاع ہند کی تیاریوں کی راہ میں مشکلات نہیں ڈالیں بلکہ حکومت کو بار بار کہا ہی کہ مسلمانوں کے تعاون سے مستفید ہو جئے بشرطیکہ آپ ہمیں موجودہ آئین کے دائرہ کے اندر رہ کر مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں میں معقول اختیارات دیں ہیں حکومت کو کہتا ہوں کہ وہ لوگ جو تدابیر دفاع میں تعاون نہیں کرتے ان کی مطلق پروانہ کی جائے مگر ہم افسوس کی ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ حکومت نے کانگرس کی منت سماجت کرنے اور اس روٹھی کو منانے کی حکمت عملی اختیار کر رکھی ہے۔

حضرات! یہ امر باعث اطمینان ہی کہ مسلمانان ہند قرارداد پاکستان کی تصدیق و تائید کر رہے ہیں۔

قائداعظم

کی تقریر جو آپ نے اوٹاکامنڈ (جنوبی ہند) میں جون سنہ ۱۹۴۱ئہ کو ارشاد

فرمائی

حضرات! وہ وقت کچھ بہت دور نہیں جب کہ مخالفین کے جھوٹے اور گمراہ کرنے والے پروپیگنڈا کے باوجود پاکستان کی تائید ہر ہندوستانی کرے گا۔ مجھے یقین واثق ہے کہ یہ چیز جس کی میں وکالت کرتا ہوں۔ نہ صرف مسلمانان ہند۔ بلکہ دیگر فرقوں کے اغراض و مقاصد کے لئے بھی مفید ہے۔ میری رائے میں ہندوستان کی آبادی کبھی ایک قوم اور بس ایک قوم پر مشتمل نہ تھی اور طرز نمائندگی پارلیمانی نظام حکومت کا تو ذکر ہی کیا۔ اس ملک میں کبھی ایک قومی حکومت قائم نہیں ہوئی۔ ہندو مہاراجہ ہو یا مسلمان بادشاہ، یہ سب حاکم ہمیشہ خود مختار ہوتے تھے۔ آج کل ہندوستان کے مختلف حصوں کا اجتماع محض برطانوی حکومت اور فوقیت کے طفیل ہے اور جونہی یہ لوگ یہاں سے چل دیں گے اس ملک کی جغرافیائی وحدت بھی رخصت ہو جائے گی۔

میرا ذاتی یقین ہے اور مسلمانوں کی غالب اکثریت کا بھی یہی یقین ہے کہ مسئلہ حصول آزادی کا واحد حل پاکستان ہے جس سے ہندو اور مسلمان دونوں کی

آزادی مراد ہے۔ اس ملک کی دو بہت بڑی اقوام یہی ہیں۔

جب تک ہندو ہندو ہیں اور مسلمان مسلمان - اس وقت تک ہندو قوم جو اکثریت میں ہے بلا شبہ اپنے قومی فیصلے اور ارادے دین، دھرم، تہذیب و تمدن اور نظام معاشرت ان سب کے متعلق اپنے خصائص کا اظہار کرے گی - انہیں عمل کا جامہ پہنائے گی۔ اور مسلمانوں پر بھی جو ایک قطعاً مختلف قوم اور تہذیب رکھتے ہیں جبراً عاید کرے گی - چاہے وہ اس پر رضامند ہوں یا نہ ہوں - یہی وجہ ہے کہ مسلمان جہاں جہاں اکثریت میں ہیں اپنی قومی خصوصیتوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اجازت مانگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قوم اکثریت اپنا طرز زندگی جاری رکھے - غرضکہ دونوں اقوام اپنے اپنے فلسفہ، مذہب اور تمدن کی پاسداری اور پیروی میں بلا روک ٹوک مشغول ہوں۔

ایسی تجویز کو ہندوستان کی چیر پھاڑ بتانا باشندگان ہند کے دلوں کو زہریلا کرنے کے برابر ہے - رہیں اقلیتیں خواہ وہ طبقات اسلامیہ کے ہندوؤں کی ہوں اور خواہ مسلمانوں کی جو طبقات ہنود میں رہتی ہوں۔ ان کے متعلق اطمینان رکھنا چاہیے کہ جس حد تک دنیا کے دیگر مہذب ممالک میں اقلیتوں کی رعایت کی جاتی ہے اسی حد تک یہاں بھی ان کے حقوق کی پوری پوری حفاظت کی جائے گی۔

نکتہ چینوں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ پاکستان کے قیام سے اقلیتوں کا مسئلہ حل نہ ہوگا تو کیا اس طرح ضرور حل ہو جائے گا کہ ہندو راج کے ماتحت نو کروڑ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے اقلیت میں رکھا جائے ؟ میں پوچھتا ہوں کہ ان دو اشخاص میں کون

راست باز اور منصف مزاج ہے ؟ کیا وہ جو ساری مانگتا ہے اور دوسرے کو زیر رکھتا ہے یا وہ جو یہ کہتا ہے کہ میرا ایک تہائی وطن مجھے دے دو باقی دو تہائی تم رکھو اور آؤ دوست بن جاؤ ؟

اس کے جواب میں آپ ہی فیصلہ کریں !

قائد اعظم

کی تقریر جو آپ نے مسلم لیگ ریاست میسور کے سپاس نامہ کے جواب
میں جون سنہ ۱۹۴۱ء کو ارشاد فرمائی

حضرات! آپ یہاں ایک ایسے علاقے میں رہتے ہیں جو ہمارے مقام بود و باش سے مختلف ہے۔ آئینی اور بین الاقوامی لحاظ سے آپ ایک خود مختار ریاست کے باشندے ہیں۔ اس میں اور برطانوی ہند میں فرق و امتیاز ہے۔ مگر میسور ہو یا دنیا کا کوئی اور گوشہ ان دونوں مقامات کے مسلمانوں کے مابین ایک مشترکہ قومی مماثلت و یکسانیت اور الفت و موانست موجود ہے۔ فرزندان اسلام کو ملکی حد بندیوں اور انسانی پابندیوں سے کوئی واسطہ نہیں۔

حضرات! میں خوش ہوں کہ حضور مہاراجہ صاحب بہادر نے مسٹر محمد امام کو جو مسلم لیگ کے ٹکٹ یا سند پر ریاست کی مجلس قانون ساز کے رکن منتخب ہوئے اپنا ایک وزیر مقرر کیا۔ مجھے امید ہے کہ مسٹر محمد امام اپنے فرائض بے خوف ہو کر آزادی کے ساتھ ادا کریں گے اور خوب خیال رکھیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ انصاف کا سلوک کیا جاتا ہے۔ مجھے رنج سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض اوقات بد قسمتی سے ایسے لوگ

نہ صرف ریاست میسور بلکہ برطانوی ہند میں بھی دیکھے جاتے ہیں جو اعلیٰ مراتب پر پہنچکر اس سیڑھی کو ٹھوکر مارتے ہیں جس پر چڑھ کر عہدے پائے تھے مگر میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اپنے آپ کو آخری مالک و مختار ثابت کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔ بعض اوقات یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے نمائندے یا لیڈر یا وزیر خود غرضی اور طمع ترقی ذاتی کی وجہ سے ہمیں عین وقت پر دغا دیں اور نقصان پہنچائیں۔ لیکن ایک پُرزور اور یک زبان رائے عامہ سے بڑھ کر کوئی چیز مؤثر اور زبردست نہیں ہوتی۔ اور اس کے بل پر آپ اگر چاہیں تو ایسے لیڈروں کو خاک میں ملا سکتے ہیں۔ اس قسم کے حالات دوسرے ملکوں میں بھی پیش آتے ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک میں ایسے لوگوں کی کثیر تعداد ہے جو بیک وقت ایک نہیں، دو نہیں، تین نہیں مختلف فریقوں سے ساز باز کرتے ہیں اور اپنے قول و فعل کو حالات کے سانچے میں ڈھالتے ہیں۔ ان اشخاص سے خبردار رہنا چاہئے جب آپ تعلیم و تربیت اور تجربہ کے طفیل سچے لیڈر انتخاب کرنے کے اہل بن جائیں گے تو آپ کا آدھا کام تو اسی وقت آپ سے آپ ہو جائے گا۔

حضرات! ہندوستان اور ریاستہائے ہندوستان کے حالات حاضرہ اور ہماری زندگی کے کوائف موجودہ کا تقاضا نیز اس کے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہ تھا کہ ہم ہر جگہ مسلم لیگ قائم کریں۔ چنانچہ ہمیں صاف طور پر اس حقیقت کا دیانتدارانہ اعتراف کرنا چاہئے کہ ہر فرقہ مجبور ہے کہ اپنے اغراض کی پاسداری کرے اور حفاظت کا انتظام مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہمارے دونوں بڑے بڑے فرقے جذبہ دوستانہ کے ساتھ تعاون باہمی سے کام نہ کریں۔ ریاست میسور میں جو آئینی تجربہ شروع کیا جا چکا ہے اسے بدرجہ آخر اسی طرح کامیابی ہو سکتی ہے کہ مختلف فرقے ہم آہنگی اور باہمی تعاون سے کام کریں

فرقۂ اکثریت کو لازم ہے کہ اقلیتوں کے دل میں اپنے متعلق احساس اعتبار پیدا کرے۔ اور انھیں اپنی حفاظت اور سلامتی کا یقین ہو جائے۔ یہ ہے آئینی حکومت کا اصلی مگر شدید امتحان ---!

حضرات! میرا پختہ خیال ہے کہ مسلمانوں کے حق میں جناب مہاراجہ فی الحقیقت منصف اور ہمدرد ثابت ہوں گے۔ میں ان کی خدمت میں ہدیۂ تحسین پیش کرتا ہوں اور مسلمانان میسور کو نصیحت کرتا ہوں کہ تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی ترقی کو انتہائی توجہ دیں اور اس میں اہل دیہات کا خاص خیال رکھیں۔

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ایک جلسہ میں ۲ نومبر ۱۹۴۱ء

کو ارشاد فرمائی!

خواتین و حضرات! میں مسلمانان علی گڑھ اور طلبائے یونیورسٹی کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے انتہائی احترام و الفت سے میرا خیر مقدم کیا۔ اس سے میری بڑی حوصلہ افزائی ہوئی کیونکہ یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ آپ نہ صرف مجھے ذاتی طور پر معزز فرما رہے ہیں بلکہ مسلم لیگ کے پروگرام اور حکمت عملی کی تائید و توثیق کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ دنیا پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ لیگ کی پشت پر کتنی بڑی قوت موجود ہے مسلمانوں کے اصلی خیالات و احساسات دنیا کے سامنے لانے کے لئے ہم حتی الامکان کوشاں ہیں تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ ہمارا مدعا کیا ہے؟ میں اس سال کے دوران میں دوسری بار علی گڑھ میں آیا ہوں۔ درمیانہ مدت میں کیا کچھ ہوا؟ میں اس کی کیفیت بڑے اختصار کے ساتھ پیش کروں گا۔ مجھے پامال اقوال کا تکرار منظور نہیں۔ مثلاً یہ کہ "آج کے نوجوان کل کے لیڈر ہوں گے" مگر آپ کو بطور اہل عمل میں بتاتا ہوں کہ آپ پر بہت بڑی ذمہ داری عاید ہوتی ہے مستقبل قریب میں نوجوانوں کو ہماری جدوجہد کے شدائد برداشت کرنے پڑیں گے۔

اولیں اور اہم ترین امر فیصلہ طلب یہ ہے کہ آئینی تبدیلیوں کے ضمن میں ہماری حالت

کیا ہے ؟ آپ جانتے ہیں کہ میں ایک طویل وقت تک وائسرائے بہادر کے ساتھ بار بار ملاقاتیں کرتا رہا۔ اور ہمارے مابین قول و قرار اور مذاکرات بھی ہوتے رہے اس کے متعلق مجلس عاملہ اور کونسل اور مسلم لیگ کے پورے اجتماع نے قرار دادیں منظور کیں۔ مختصراً ہماری حالت یہ رہی ہے کہ جنگ کے خاتمے پر یا فوری الفور با بروئے حالات جس قدر جلد ممکن ہو ہندوستان کے سارے آئینی مسئلے کا از سرِ نو امتحان کیا جائے۔ حکومت برطانیہ کے اعلان مجریہ ۸ راگست ۱۹۴۰ء نے تمام و کمال آئین کے از سرِ نو امتحان کا فیصلہ کیا۔ یہ اعلان وزیر ہند کی تشریح و توضیح کے مطابق صاف طور پر قرار دیتا ہے کہ "حکومت برطانیہ جبراً کوئی آئین ہندوستان پر عائد نہیں کرے گی اور اس ملک کی بڑی بڑی پارٹیوں کی رضا و رغبت کے بغیر کوئی آئین اختیار نہیں کیا جائیگا"۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ یہاں تک تو ہمارا مطالبہ منظور کر لیا گیا کہ جب تک مسلمانوں کی منظوری اور قبولیت حاصل نہ کر لی جائیگی کوئی نیا آئین ان پر چسپاں نہ کیا جائے گا۔ دوسرا اہم امر یہ ہے کہ جنگ کے متعلق ہمارا رجحان کیا ہے۔ بلاشبہ ہم سب بڑے خطرے میں ہیں۔ چنانچہ مسلم لیگ نے اہل عمل کی طرح سوچا اور فیصلہ کیا کہ خود ہندوستان کے اغراض کا تقاضا ہے کہ جنگی کوششیں زیادہ پُر اثر بنائی جائیں اور ہمیں بھی دفاع ملک میں حصہ دیا جائے۔ اور اس میں ہماری رائے کو دخل ہو۔ اعلان اگست ۱۹۴۰ء میں قرار دیا گیا تھا کہ سب بڑی بڑی پارٹیوں کے نمائندوں کو اختیارات حکومت دے کر تدابیر جنگ میں شامل کیا جائے۔ مگر جب اس اصول کو عمل میں لانے کا وقت آیا تو اصل مقصد فوت ہو گیا۔ دوران مذاکرات میں جناب وائسرائے نے کچھ اس طرح فرمایا۔ "میں آپ کو نہیں بتا سکتا کہ میرے کابینہ میں کتنے اراکین ہوں گے۔ کتنے زائد ممبر لئے جائیں گے۔ ممبروں میں محکموں کی تقسیم کس طرح ہو گی؟ کابینہ میں دوسری کون کون سی پارٹیوں کے ممبر آرہے ہیں۔ الغرض

میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔ بس اتنا سن لیجئے کہ آپ کو دو نشستیں دیتا ہوں۔" اس سے ہر شخص کو جو ذرہ برابر بھی عقل و ہوش رکھتا ہو صاف معلوم ہو جائے گا کہ ہماری پیشکش تعاون کی مطلق کوئی قدر نہ کی گئی اور کوئی وضعدار جماعت حکومت برطانیہ کی تجویز قبول نہ کر سکتی تھی۔ فرض کیجئے کہ کانگرس شمولیت اختیار کرتی تو کابینہ میں مسلم لیگ اور اس کے دو نمائندوں کے اختیارات کی حیثیت کیا قرار پاتی؟ جب یہ سوال کیا گیا تو وائسرائے نے وہی جواب دیا کہ میں کچھ نہیں بتا سکتا اس پر میں پوچھتا ہوں کہ ہمیں فقط آلہ کار ہی بنانا مدنظر تھا؟ یا ہمارا کام محض خانہ پُری تھا؟ واضح ہو کہ کانگرس نے ابھی ستیہ گرہ کا آغاز نہ کیا تھا اور کوئی شخص نہ بتا سکتا تھا کہ اہل کانگرس کا رجحان کیا ہوگا اور نہ یہ کہ اگر حکومت اور کانگرس کے مابین شرائط طے ہو گئیں تو صورت حال کیا ہو گی۔ اندریں حالات مسلم لیگ کے لئے یہ بات ناممکن تھی کہ حکومت برطانیہ کی پیشکش قبول کرے۔

اگر کانگرس شمولیت اختیار کرتی تو بیرونی حملوں سے بچاؤ اور اندرونی ضبط و نظم کی ساری ذمہ داری زیادہ تر مسلمانوں پر عاید ہوتی۔ اندھوں کے سوا ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ کانگرس کے شامل نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ سب کے سب ہندو بہ حیثیت جماعت الگ رہے ہیں اور نو کروڑ مسلمانوں ہی کو سارا بوجھ اُٹھانا ہے۔ حکومت برطانیہ کی تجویز ایک جنگی معاہدہ تھا اور محض عہدے حاصل کرنے کا مسئلہ نہ تھا۔ اب سنئے کہ اگر کانگرس شامل بھی نہ ہوتی اور کوئی براہ راست اقدام بصورت ستیہ گرہ وغیرہ کرتی تو صرف ایک اور پارٹی باقی رہ جاتی یعنی مسلم لیگ۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر ایسی صورت میں میں نے یہ مطالبہ کیا کہ نو ترتیب یافتہ کابینہ میں مسلم لیگ کے ممبروں کو اکثریت ہونی چاہئے تو کیا غلطی کی۔ میں اب کھلے طور پر سب کو بتاتا ہوں کہ میں ہندوؤں کی شمولیت کا خواہشمند تھا تاکہ وہ مسلمانوں سے مل کر حفاظت ہند کا کام کریں۔ اگر مسلمان

ایک معاہدے کے ذریعے خطرے میں حصہ لینے اور جان و مال دینے پر آمادہ ہوں اور کانگرس بھی شامل ہو تو ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد یکساں ہونی چاہئے۔ یہ سوال محض تعداد کا بھی نہیں بلکہ سوال ہے اختیارات اور ذمہ داری میں حقیقی حصہ لینے کا۔ جس سے میری مراد یہ ہے کہ موجودہ آئین کے دائرہ کے اندر رہ کر مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں نمائندگان ہند کو اختیارات حاصل ہوں تاکہ جنگ کے متعلق کامیاب کام کیا جاسکے۔ اس پر بعض ذمہ دار حلقوں میں بھی یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ اس سے دو اقوام کے نظریہ کی تشکیل اور تصدیق ثابت ہوگی، مگر میرے نزدیک یہ ایک غلط خیال ہے۔ اس سارے معاملہ کو دو اقوام کے نظریئے سے دور کا واسطہ بھی نہیں کیونکہ موجودہ آئین کے اندر رہ کر وائسرائے کی نو تربیت یافتہ مجلس منتظمہ کا قیام کس قومی کابینہ کی طرح کیا جانا تھا۔ جو خاص ضرورت وقت کے لیے مرتب کیا جائے۔ اس کی بنیاد آبادی شماری پر ہرگز ہرگز نہیں رکھی جاسکتی۔ اس میں انسانوں کی گنتی کو دخل نہیں عاقل و فرزانہ کارکنوں کی ضرورت ہے، برطانوی کابینہ پر نگاہ ڈالئے اس میں حزب العمال کے ممبران پارلیمان کی تعداد کے تناسب سے کہیں زیادہ وزیر ہیں۔ قوم کے ایک اور نازک وقت میں مسٹر ریمزے میکڈانلڈ وزیر اعظم کے کابینہ میں حزب العمال کے صرف تین وزیر تھے۔ ان سب امور کے باوجود یہ لوگ کہتے ہیں کہ مسٹر جناح خود غرض ہیں اور اپنے حق سے بڑھ کر جبراً لینا چاہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم نہ پراپگنڈہ کرتے ہیں اور نہ ہمارے پاس روپیہ ہے اس لئے ہم کو نقصان پہنچتا ہے۔ مگر مخالفین کو واضح ہو کہ غلط بیانیوں سے کسی شخص کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

خواتین و حضرات! یہ تجویز بر روئے کار نہ آئی اور برطانوی حکومت سال بھر سوتی رہی پھر یکایک بیدار ہوئی۔ ۲۲ جولائی ۱۹۴۱ء کو مجلس منتظمہ کی توسیع اور ایک نام نہاد نیشنل ڈیفنس کونسل کے قیام کے فیصلہ کا اعلان کیا گیا۔ حکومت نے ہماری شدید مخالفت کے باوجود ہمارے

فیصلے کے خلاف یہ تدبیر اختیار کی اور ہم پر جبراً عائد کردی۔ حکومت نے ہمارے بعض ممبروں کو اپنی تجویز میں شامل کرکے اس امر کی کوشش کی کہ وہ ہم سے الگ ہو جائیں۔ ان میں سے تین اراکین صوبائی وزیر اعظم تھے۔ اور ان میں سے دو ہماری مجلس عاملہ کے ممبر بھی تھے۔ بہر حال آپ کو معلوم ہے کہ نتیجہ کیا ہوا۔ میں خوش ہوں اور ہمیں فخر حاصل ہے کہ حکومت برطانیہ کو ایک سبق سکھایا گیا اور ایک شر میں سے خیر پیدا ہوئی۔ خود خرابی میں سے خوبی پیدا ہوئی ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسلم ہند نے ثابت کر دیا کہ تمام مسلمان یکجہتی کے ساتھ مسلم لیگ کی پشت پر ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ ہمارے مخالفین یاد رکھیں گے کہ مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرنا بیکار رہے۔ لیجئے اس داستان کا یہ باب یوں ختم ہوا۔

اب میں مجلس قانون ساز میں مسلم لیگ پارٹی کے طریق عمل کی طرف اشارہ کرتا ہوں حکومت نے مسلم ہند پر ایک نو ترتیب یافتہ مرکزی حکومت عاید کردی اور اس میں مسلم لیگ کی رائے کی قطعاً کوئی پروانہ کی۔ چنانچہ مسلم لیگ پارٹی بطور احتجاج مجلس سے نکل آئی۔ واضح ہو کہ کسی مخالف پارٹی کا یہ طریق عمل اختیار کرنا کامل طور پر آئینی ہے۔ اب آپ پوچھینگے کہ اس ملک میں دیگر امور فیصلہ طلب کیا ہیں سنئے! ممالک اسلامی کے متعلق برطانوی حکمت عملی سے ایک نازک صورت حالات پیدا ہو گئی ہے۔ آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے پچھلے جلسہ کی رُوداد پڑھی ہو گی۔ اگر حکومت برطانیہ نے مسلم مملکتوں کے متعلق اپنے ارادے پوری طرح سے واضح نہ کر دیئے اور اس امر کا یقین نہ دلایا کہ ہمیں مسلم ممالک کی ملوکیت اور آزادی کو نقصان پہنچانے اور خود فائدہ اٹھانے کا کوئی خیال نہیں تو بلاشبہ اس کے بعد انھیں مسلم ہند کو قابو میں رکھنا سخت مشکل ہو جائیگا۔

آپ نے ہندو لیڈروں کے بیان اور ہندو اخباروں کے مقالات پڑھے ہوں گے۔ یہ

لوگ بڑے شر انگیز اور خطرناک دلائل پیش کرتے ہیں مگر اس کا تباہ کن اثر خود اُن پر ہوگا۔ پاکستان کے مخالفین حکومت کو کہتے ہیں کہ "اگر پاکستان وجود میں آگیا تو آسام کی سرگوشی کی بازگشت "انقرہ" اور "استنبول" سے آئیگی۔ اور پاکستان برطانویوں کیلئے زیادہ اور ہندوؤں کے لئے کم خطرناک ہے اس لئے پہلی ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم حکومتوں کو تباہ کیا جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو پاکستان زمین میں دفن ہو جائیگا اور آپ ہندوستان پر حکومت کریں گے"۔ یہ ایک بیہودہ خیال ہے۔ ہمارے مخالفین کو اس امر کا احساس نہیں کہ اگر آزاد اسلامی مملکتیں تباہ ہو گئیں تو سارا ہندوستان ہمیشہ کے لئے برطانیہ کے زیر نگیں رہے گا۔

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ اگست سنہ ۱۹۴۰ء کا اعلان مسلمانوں کو حق تنسیخ قوانین و احکامات حکومت دیتا ہے۔ وہ طوطے کی طرح اس کی تکرار کرتے ہیں۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا آئین عمل میں لایا جاسکے جس کی مخالفت نو کروڑ انسان کرتے ہوں؟ اول تو برطانوی حکومت اتنی احمق نہیں کہ صرف ہندوؤں کے مشورے سے بنایا ہوا آئین ہندوستان پر چسپاں کر دے۔ آخر کار اس آئین کو چلائیگا کون؟ اس کی پشت پر حکم کس کا ہوگا؟ اس کے عمل کی صورت کیا ہوگی؟ بلا شبہ اس کے سبب اختیارات کا ایک بہت بڑا حصہ منتقل ہو جائے گا۔ اس کے معنی یہ ہونگے کہ برطانوی طاقت اور اختیار دور ہو گئے۔ پھر کون باقی رہا؟ ہندو۔ اختیارات قدرتاً اور بلا کوشش ہندوؤں کے ہاتھ میں چلے جائیں گے۔ اگر برطانوی حکومت تسلیم کرتی ہے کہ اس ملک کی قومی زندگی کا ایک بڑا جز و اور ایک اہم عنصر مسلم ہند ہے۔ پھر آپ مسلمانوں کی دلی رضا کے بغیر کس طرح ایک آئین حاصل کر سکتے ہیں؟

خواتین و حضرات! موجودہ صورت حالات کو مد نظر رکھ کر مسٹر گاندھی کہہ چکے ہیں کہ "اس وقت پر فرقہ دارانہ اتحاد کے بغیر کوئی عام تحریک جاری کرنا خانہ جنگی کو دعوت دینا ہے

لیکن اگر ہماری قسمت میں خانہ جنگی لکھی ہے تو وہ حادث ہو کر رہے گی - بہرحال جہاں تک میں آگاہ ہوں یہ بات کانگریس کی دعوت یا خواہش سے نہ ہوگی "

میں سمجھتا ہوں کہ مسٹر گاندھی کے اس یقین دلانے سے مسلم ہند کو بڑا اطمینان ہوگا - (قہقہہ) مگر خانہ جنگی کا ذکر ہی کیوں کیا جائے ؟ اور اہل عمل کی طرح اپنے دل و دماغ سے کیوں نہ کام لیا جائے ؟ بات یہ ہے کہ اہل کانگریس ایک ایسے آئین کے لئے جھگڑ رہے ہیں جس میں سارے ہندوستان کو ایک وحدانی وجود حاصل ہو اور مسلمانوں کے ساتھ محض بطور اقلیت سلوک کیا جائے - مگر مسلمان اسے کبھی قبول نہیں کر سکتے - ہم اپنا بچاؤ کر رہے ہیں - کسی پر حملہ نہیں کرتے - ہماری سفارش یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان اس ملک کی عنان حکومت ایک ایسے نظام کے ماتحت اپنے ہاتھ میں لیں جس پر ہم دونوں عمل پیرا ہو سکیں - ایسے نظام کو قائم رکھنے سے کیا حاصل جو پچیس ۲۵ برس تک ناکام ثابت ہوتا رہا ہے - ہماری ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ ہم دو مختلف اور متضاد اصولوں پر کاربند ہوتے رہے ہیں - جب دو بھائی اکٹھے نہ رہ سکیں تو کیا کیا جاتا ہے ؟ وہ جائداد تقسیم کر لیتے ہیں اور پھر ہنسی خوشی زندگی گزارتے ہیں - ہم بھی تدبیر پاکستان کے ذریعہ یہی کرنا چاہتے ہیں - ہندوؤں کو تین چوتھائی ہندوستان ملے گا جس میں اکیس کروڑ انسان آباد ہیں - کیا یہ تقسیم منصفانہ نہیں ؟ کیا ایسی تجویز کے سبب خانہ جنگی ہو سکتی ہے ؟ میں فقط ایک حصہ مانگتا ہوں ، اور مسٹر گاندھی سارے کا سارا طلب کرتے ہیں - پھر کس کی خواہش سے خانہ جنگی ہوگی ؟

خواتین و حضرات ! ہندو لیڈر کیا کہتے ہیں ؟ میں ایک سابقہ کانگریسی اور سابقہ وزیر یعنی مسٹر منشی کی ایک تقریر سے صرف ایک اقتباس پیش کرتا ہوں - وہ کہتے ہیں کہ "تدبیر پاکستان کے ماتحت ریاست ایک ملکی حکومت نہ ہوگی اور جو ایک ایسی مجلس

قانون ساز کے سامنے جوابدہ نہ ہوگی جس میں تمام فرقوں کے نمائندے ہوں بلکہ ایک دینی حکومت ہوگی جس نے ایک خاص مذہب کے احکام کے مطابق حکومت کرنے کا عہد کیا ہوگا۔ اور اس طرح ان تمام لوگوں کو جو اس دین کے معتقد نہ ہوں حکومت میں حصہ نہ ملے گا۔ چنانچہ مسلمانوں کی دینی حکومت کے ماتحت ایک کروڑ تیرہ لاکھ ہندوؤں اور سکھوں کو اقلیت کی حیثیت حاصل ہوگی۔ پنجاب میں ان ہندوؤں اور سکھوں کو مسلمانوں کے رحم وکرم پر رہنا ہوگا اور پھر سارے ہندوستان میں یہ ایک کروڑ تیرہ لاکھ انسان اجنبی قرار پائینگے"۔

خواتین وحضرات! آپ ہی بتایئے کہ کیا یہ بیان ہندوؤں اور سکھوں کو برانگیختہ نہیں کر سکتا؟ ان کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یہ ایک دینی ریاست ہوگی جس میں آپ کو کوئی اختیار حکومت حاصل نہ ہوگا۔ مسٹر منشی غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں غیر مسلموں سے اچھوتوں ایسا سلوک کیا جائیگا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اچھوت پن کو صرف ان کے مذہب اور ان کے فلسفہ میں دخل ہے۔ مسلمانوں کے ہاں یہ بات نہیں۔ اسلام ان غیر مسلموں کے حق میں جو اس کی حفاظت میں رہتے ہوں علمبردار ہے، انصاف کا، مساوات کا۔ اور راستبازی اور بے تعصبی کا، بلکہ فیاضی کا بھی۔ یہ لوگ ہمارے بھائی ہوں گے اور ریاست کے شہری سمجھے جائیں گے۔ (نعرۂ تحسین)

خواتین وحضرات! ہندو لیڈروں نے اٹلانٹک چارٹر (سند اوقیانوس) سے بہت فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر بیسود۔ وہ شکایت کرتے ہیں کہ "ہندوستان اس سند سے خارج ہے"۔ واہ کیا مصیبت آئی۔ یہ لوگ برطانوی حکومت سے اس سند کے ماتحت ایک تازہ اعلان طلب کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر یہ بات ہوگئی تو مصیبت دور ہو جائیگی۔ مگر کوئی بھی اعلان ہو اس سے فائدہ ہی کیا ہوگا۔ جہاں تک مسلم ہند کو دخل ہے ہم نے اپنی سند خود مرتب کر لی ہے اور اس

کا نام ہے پاکستان (نعرۂ تحسین) اور ہم اس سند کے متعلق واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم اس کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہمارے مخالفین اس غلط خیال کو دل سے دور کر دیں کہ پاکستان سے ہمارا مقصد سودا بازی ہے یا یہ ایک دلچسپ مقولہ ہے۔ اس قسم کے نتائج اور ایسے معانی قطعاً بے معنی ہیں۔ غیر ممالک میں بھی یہ پراپگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ مسلم لیگ زیادہ سے زیادہ اختیارات چھین لینے کے لئے حیلہ بازیاں کر رہی ہے۔ مسٹر گاندھی نے ۱۹۳۹ء میں کہا کہ مسلم لیگ اپنے آپ کو سب سے بڑھ کر بولی دینے والے کے ہاتھ بیچنا چاہتی ہے۔ یہ ایک قابل ملامت جھوٹ ہے۔ ہم اس مقام سے جہاں ہم پہنچے ہیں ایک انچ بھی اِدھر اُدھر ہٹنے کے لئے تیار نہیں۔ کوئی چیز ہمیں اپنے مقصود سے متزلزل نہیں کر سکتی ہمارا عزم راسخ ہے کہ ہم اپنے اغراض و مفاد کی حفاظت کریں اور ہم دوسروں سے علیحدہ رہ کر یہ کام بخوبی کر سکتے ہیں۔ (دیر تک نعرۂ تحسین)

قائدِ اعظم

کی تقریر جو آپ نے محمد علی پارک کلکتہ میں مسلم لیگ کا جھنڈا لہرانے کے
موقع پر ۲ر جنوری ۱۹۴۲ء کو ارشاد
فرمائی

"جب قائد اعظم جھنڈا لہرانے کی رسم کے لئے کلکتہ تشریف لے گئے تو ہوڑہ اسٹیشن پر ان کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ پھر وہ ایک میل طویل جلوس کے ہمراہ محمد علی پارک میں پہنچے۔ یہاں "اللہ اکبر" اور "پاکستان زندہ باد" کے فلک شگاف نعروں کے درمیان ہزارہا مسلمانوں کے اجتماع کے سامنے مسلم لیگ کا جھنڈا لہرایا۔ نیز ایک تقریر ارشاد فرمائی جس کے مطالب حسب ذیل ہیں۔"

حضرات! جب ہم پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم طبقات اکثریت مسلمانان ہیں جو ہمارا وطن ہے اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم ہندوؤں کے بدخواہ ہیں اور ان سے ناانصافی کا سلوک کریں گے۔ لیکن ہمارے اس اعلان اور وعدے کے باوجود اگر ہندو ہمیں اپنا بدخواہ سمجھیں اور یہ خیال کریں کہ مسلمانوں کے مطالبات سے ہماری حق تلفی ہوگی تو یہ ان کی بہت بڑی غلطی ہوگی جس سے خود ہندوؤں کو مسلمانوں سے کہیں بڑھ کر نقصان پہنچے گا۔ ہندوؤں کے اس خیال موہوم کے مقابلہ میں امر واقعہ یہ ہے اور اس سے بچہ بچہ بخوبی واقف ہے کہ ان کی اپنی سازشوں

جیلوں اور تدبیروں کا مقصد ہندوستان میں ہندو راج کا قیام ہے اور بالخصوص یہ کہ وہ اپنے ہم وطن مسلمانوں کو پامال کریں اور ہمیشہ کے لئے مغلوب رکھیں۔ مگر ان کی یہ کوشش کامیاب نہ ہوگی اور وقت اس کا ثبوت دیگا۔ ہندوؤں کو معلوم ہونا چاہئے کہ گو مسلمان اس زمانے تک پراگندہ دل اور بے بس رہے تھے۔ ان کا خون منجمد ہو گیا تھا اور ان کے قوائے جسمانی ناقابل کار تھے۔ یہاں تک کہ تمام عملی مقاصد کے لئے وہ گویا موت سے ہمکنار تھے۔ مگر آج ان کا دورانِ خون تیز ہو رہا ہے۔ جسمانی طاقتیں بحال ہوتی جاتی ہیں اور سب سے بڑھکر یہ کہ ان کا دماغ روشن ہو رہا ہے۔ اس لئے ان کی جائز خواہشوں اور منصفانہ مطالبوں کی مزاحمت کرنا بیکار ہے۔

حضرات! مجھے امید ہے کہ اسلامیان بنگال یکجہت ہو کر باقی سارے اسلامی ہند کا ساتھ دینگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی ہند بھی اسی اتحاد اور یکدلی کے ساتھ بنگال کا ممد و معاون بنے گا۔ اسلامیان بنگال کے نام میرا پیغام یہ ہے کہ آپ سب مسلم لیگ کے جھنڈے تلے کامل ضبط اور استقلال کے ساتھ متحد ہو جائیں۔ اور لیگ کی حکمت عملی پر عامل ہوں۔ پھر ضرورت ہو تو اس عمل میں انتہائی یکسوئی کے ساتھ شدید ترین کوشش روا رکھیں۔ ورنہ آپ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ آپ ان مسلمانوں پر بھروسہ ہرگز ہرگز نہ کریں جو غدار ہیں خود غرض اور بزدل ہیں اور قوم فروش ہیں۔ یہ لوگ اپنے خودغرضانہ مقاصد کے لئے ناپاک اور فریب کارانہ اور بیحد پروپیگنڈا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سارا اسلامی ہند بنگالی مسلمانوں کا مؤید و معاون ہے اور جملہ مسلمانان ہند اس غدر لنگ، اس دلیل قبیح سے متاثر ہونے کے لئے تیار نہیں کہ بنگال کے اندر غیر اجنبی مسلمان رہتے ہیں۔ آپ اس بات سے گمراہ نہ ہوں کہ بنگال کے مسلمان اپنے پاؤں پر خود کھڑے

ہو سکتے ہیں اور انھیں باقی اسلامی ہند کے ساتھ کامل اتحاد اور شرکت کار کی حاجت نہیں۔ گزشتہ دو صدیوں کے دوران میں مسلمانوں نے بہت کچھ کھویا۔ اور سختیاں جھیلیں۔ اب گئی ہوئی چیز واپس لینے کا وقت آیا ہے۔ اس سے باقی تمام صوبجاتِ اکثریتِ اسلامیان سے کہیں بڑھ کر بنگال کو نفع حاصل ہوگا۔ جس کے لئے صوبہ جات اقلیت کے مسلمان بھی سختیاں برداشت کرنے اور قربانیاں کرنے کیلئے تیار ہیں۔ بنگال کے بعد دوسرا صوبہ جس کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہوگا پنجاب ہے کیونکہ ہم تو صرف ان ہی شرقی اور شمال مغربی طبقات میں جو ہمارا وطن ہے اور جہاں ہماری اکثریت ہے، اپنی آزاد اور خود مختار حکومتیں قائم کرنا چاہتے ہیں جن کے ماتحت رہنے والی غیر مسلمان اقلیتوں کو ان کے حقوق کی پوری حفاظت کی کامل ضمانت دیتے ہیں۔ ہندوؤں کے ساتھ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں بلکہ خود ہندوؤں کے سر میں یہ سودا سمایا ہوا ہے کہ برطانوی راج کے حقدار جانشین اور جائز وارث ہم ہیں۔ اور اس لئے نہ صرف ان صوبوں میں فوقیت حاصل کرینگے جہاں مسلمانوں کی اقلیت ہے بلکہ وہاں بھی ہماری ہی حکومت ہوگی جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ چنانچہ وہ ایک متحدہ اور جمہوری ہند اور قومی حکومت کے قیام کا بہروپ بھر کر اس کے پردے کے پیچھے ہر وقت طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ اسلامی ہند کوئی ایسی مرکزی حکومت چاہے وحدانی ہو چاہے وفاقی (فیڈرل) یا کسی اور نمونے کی ہرگز کبھی قبول نہیں کریگا جو دس کروڑ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ رائے دہندگان کی گنتی کے حساب سے کرے۔ یہ بات کبھی نہیں ہوگی۔ مطلق نہیں ہوگی اور وقت ہمارے دعوٰی کی صداقت کا ثبوت دیگا۔

قائدِاعظم

کی تقریر جو آپ نے یوم پاکستان کے اجلاس منعقدہ اُردو پارک دہلی میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۳ء کو ارشاد فرمائی۔

"اس جلسہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مسلمانان دہلی نے قائد اعظم کی خدمت میں
چار ہزار روپیہ کی یکمشت رقم پیش کی۔ یہ نذر اس اپیل کا عملی جواب تھی جو صرف
دو روز پہلے ۱۲ مارچ کو قائد اعظم نے چندے کے لئے شائع کی تھی۔ اس قلیل وقت میں
اتنی بڑی رقم کا جمع کر لینا اسلامیان دہلی کی ہمت کا ثبوت ہے۔ قائد اعظم نے اپیل
میں یوں ارشاد فرمایا تھا ——— "آپ جانتے ہیں کہ اس وقت دنیا ایک شدید پریشانی
میں مبتلا ہے۔ آتش جنگ جو پہلے یورپ میں لگی اب کرۂ ارض کے مشرقی اور مغربی
دونوں حصوں میں پھیل گئی ہے اور اس کے شعلے ہندوستان کے دروازوں اور حدود
تک پہنچ گئے ہیں۔ دنیا کا نقشہ بڑی تیزی سے بدل رہا ہے اور باقی سب اقوام
کی طرح ہم کو بھی ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہونا چاہئے جن سے ہماری
زندگی تک کو سخت خطروں کا اندیشہ ہے اس لئے ہمیں ان تمام اشد ضرورتوں اور
نازک حالتوں سے جو آئندہ پیدا ہوں حوصلہ اور ہمت سکون خاطر خود اعتباری
اور قوت برداشت کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کے لئے تیار ہونا چاہئے۔

پانچ سال ہوئے آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے اسلامیان ہند کے احیاء کا آغاز ہوا اور خدا کا شکر ہے کہ اب مسلمان تشنج زدہ بے سکت نہیں رہے۔ آخر کار انھوں نے بیسیوں برس کی بےحسی سے چھٹکارا پا لیا ہے اور ہلاکت آفریں نیند سے بیدار ہو گئے ہیں۔ میں نہایت مسرت سے کہتا ہوں کہ اس قلیل مدت میں ہم نے راہ ترقی کا اچھا خاصہ فاصلہ طے کر لیا ہے مگر اپنی منزل پر پہنچنے کے لئے ابھی ہم کامل اور مؤثر تنظیم سے بہت دور ہیں پاکستان کی منزل تک رسائی ہنوز نہیں ہوئی۔

آج تک ہم نے چندہ جمع نہیں کیا اور جس طرح بن آیا اپنے غریبانہ مالی وسائل سے کام نکالا۔ میں آج پہلی بار دلی خواہش اور سنجیدگی کے ساتھ ہر امیر و غریب مسلمان سے اپیل کرتا ہوں کہ اپنے مقدور کے مطابق آل انڈیا مسلم لیگ کو چندہ دیں تاکہ اس کے پروگرام اور حکمت عملی اور اغراض و مقاصد کو بار آور بنانے کے لئے ہمیں بیش از بیش توفیق کار حاصل ہو اور ہم اپنا مقدس فرض ادا کر سکیں۔ یعنی اسلامی ہند کے اغراض کی حفاظت کر سکیں۔ اور ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی منطقوں میں جو ہمارا وطن ہیں پاکستان قائم کریں۔

میں چندہ جمع کرنے کے بہت سے طریقوں پر پورا غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو لوگ ہمیں مذکورہ اغراض کے لئے مدد دینا چاہیں ان کے لئے بہترین طریق یہ ہوگا کہ اپنا چندہ براہ راست مجھے بھیجدیں۔ میں انتہائی تاکید کے ساتھ مسلمانوں کے دل میں یہ یقین پیدا کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری تاریخ میں موجودہ وقت نازک ترین زمانہ ہے۔ اور اگر ہم پورے طور پر مسلح، ہوشیار اور عامل نہ ہوئے تو ہماری راہ ترقی میں سخت رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے اور ایسی رکاوٹ جس پر ہم کبھی غالب

نہ آسکیں - مجھے یقین ہے کہ میری اپیل رائگاں نہ جائیگی - اسلام توقع رکھتا ہے
کہ ہر مسلمان اپنی قوم وملت کے حق میں اپنا فرض ادا کریگا۔" جلسہ ندکور بہت
کامیاب رہا - پچاس ہزار مسلمان حاضر تھے جو پہلے بہ شکل جلوس شہر میں چکر لگا کر جلسہ
گاہ میں آئے تھے - اب تقریر ملاحظہ ہو"

حضرات! میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی دیگر پارٹیوں سے کہیں زیادہ استقلال کے ساتھ مسلم لیگ آزادی ہند کی موّید ہے - ہم انصاف اور راست بازی کا مطالبہ کرتے ہیں - ہماری یہ خواہش نہیں کہ دوسرے فرقوں کے حقوق تلف کرکے ان سے خود فائدہ اٹھائیں - ہم اس ملک میں ایک آزاد اور خود مختار قوم کے طور پر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں -

حکومت برطانیہ کے وکیل اور نمائندہ سر سٹیفورڈ کرپس کے خاص فرض منصبی کی متعلق میں مسلمانوں کو مشورہ دونگا کہ آپ صبر وتحمل سے کام لیں اور ملک معظم کی حکومت کی تجاویز کا انتظار کریں - میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر اس کی مجوزہ تدبیر مسلمانوں کے اغراض کی منافی ہوئی تو ہم نہ صرف اسے قبول نہیں کرینگے بلکہ اپنی طاقت کے ساتھ اس کی مزاحمت کرینگے یہاں تک کہ اگر اس کوشش میں جان بھی دینی پڑے تو اسے قربان کردیں گے - میں حکومت کو متنبہ کرتا ہوں کہ ہمارے خلاف کوئی ایسا اقدام نہ کیا جائے جس کا مقصد مسلم لیگ کو دبانا اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا ہو - مسلمانوں کو یہ خوف ہے کہ سر سٹیفورڈ کرپس کانگرس کے دوست ہیں - وہ انند بھون میں پنڈت جواہر لال نہرو کے مہمان رہے - یہ بات درست ہے مگر ہمیں محض اس سبب سے خوف زدہ نہ ہونا چاہئے - آپ کا دل نہ بیٹھے - آپ بے حوصلہ نہ ہوں میں واضح کرتا ہوں کہ صاحب موصوف یہاں شخصی حیثیت سے نہیں آئے - وہ حکومت برطانیہ

کے نمائندہ ہیں اسی لئے جو تدبیر پیش کریں گے برطانیہ کی ہوگی اور جب تک وہ ہمارے سامنے آئے صبر سے کام لینا ہوگا۔ پھر یہ بھی اطمینان رکھیں جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ اگر تدبیر برطانیہ کسی طرح سے بھی مسلمانوں کے اغراض کے خلاف ہوگی تو منظور نہیں کی جائیگی۔ ہم مزاحمت کریں گے اور اگر مزاحمت دبانے کے لئے مسلم لیگ کے خلاف کوئی کوشش کی گئی تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا یہ ہے ہماری تنبیہ حکومت کو۔

حضرات! سر سٹیفورڈ کرپس نے پریس کانفرنس کے سامنے اپنے بیان میں اس امر پر زور دیا کہ مسلمانوں اور دوسرے فرقوں کے دل میں جو سخت تشویش موجود ہے اسے دور کرنا لازم ہے میں کہتا ہوں کہ ہم خوف زدہ نہیں ہیں۔ ہمارا مقصد صداقت پر مبنی ہے۔ ہم محض انصاف طلب کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم راست باز ہیں اور دوسروں کے حقوق پر چھاپہ مارنے سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ اسی طرح ہم سے بھی سلوک کیا جائے اور ہم جو ایک قوم ہیں نہ کہ اقلیت آزادی اور خود مختاری کے ساتھ اس ملک میں رہیں۔

حضرات! اس وقت جب کہ جنگ زوروں پر ہے ہمیں حکومت برطانیہ کو تنگ کرنا اور بیکار کشمکش میں ڈالنا منظور نہیں کیونکہ ہم اصل صورت حالات سے آگاہ ہیں۔ مگر ہم اس امر کے لئے بھی تیار نہیں کہ اصل لشکر کے خدمتگاروں کی طرح حکومت برطانیہ کی مدد کریں۔ ہم نے یہ حالت کبھی قبول نہیں کی اور نہیں کرینگے۔ ہم دوسرے فرقوں سے بڑھ کر آزادی کے علمبردار ہیں۔

حضرات! میں کہتا ہوں کہ ہمیں انتظار کرنا چاہئے اور اپنا فیصلہ اس وقت تک محفوظ رکھنا چاہئے جب ہمیں معلوم ہو کہ سر سٹیفورڈ کرپس کس نتیجہ پر پہنچے ہیں اور برطانوی حکومت کی آخری اور منصفانہ تجویز کیا ہے؟ لیکن اگر برطانوی حکومت کی تدبیر یا موجودہ مسئلے کا حل مسلمانوں کے حق میں مضر ہوا اور ہمیں مزاحمت کرنی پڑی تو ہم بہر حال تمام مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور جیسا کہ میں نے

کھاٹنے مرنے کو حاضر ہیں۔ ہم مزاحمت کریں گے اور ضرورت ہوئی تو لڑتے لڑتے مرجائیں گے (نعرۂ تحسین) واضح ہو کہ اگر برطانوی حکومت نے یا ہندو لیڈروں نے الگ الگ یا مل کر یا دونوں میں سے کسی ایک نے حیلہ سازیوں یا سازشوں سے کام نکالنا چاہا تو ہم لڑینگے تا آنکہ سب کے سب مرجائیں گے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ آج کل کانگرس کے مسلمان گماشتوں اور حکومت کے مسلمان ایجنٹوں کے ہاتھوں مسلم لیگ میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ لوگ کانگرس کے غلام ہیں اور برطانوی شہنشاہیت کے مددگار۔ ان کو کسی نہ کسی طرح ہندو اخبارات میں اپنے فریب کارانہ خیالات کے اظہار اور پراپاگنڈا کا موقع مل جاتا ہے۔ میں ایسے مسلمان کو مسلمان نہیں سمجھتا جو دشمن سے جا ملے اور ہماری پیٹھ میں خنجر مارے۔ میری رائے میں مسلمانوں اور مسلم لیگ میں اختلافات پیدا کرنے اور تفرقہ ڈالنے کی کوشش نہ صرف بیکار ہے بلکہ ایک بیہودہ کھیل کے برابر ہے کیونکہ آپ حضرات نے دنیا کو یہ ثبوت دے دیا ہے کہ مسلم لیگ اور محض مسلم لیگ سارے مسلمانوں کی نمائندگی کی مجاز ہے۔

حضرات! ہمارے دشمنوں کے مخالفانہ پراپاگنڈا نے ہمارے خلاف یہ تہمت تراشی ہے کہ ہم مسلمان برطانوی شہنشاہیت کے مؤید ہیں۔ یہ سخت جھوٹ ہے۔ یہ ہماری توہین ہے۔ ہمیں ملزم ٹھہرانے والے لوگ اپنے جھوٹ سے خود بھی بخوبی واقف ہیں۔ میں نے اپنی ساری زندگی میں اس خیال کو دل میں جگہ نہیں دی کہ ہم اس ملک کے اندر کسی غیر ملوکیت کے فرمانبردار رہوں۔

قائد اعظم

کی تقریر جو آپ نے پنجاب پراونشل مسلم لیگ کانفرنس کے اجلاس

لائل پور میں ۱۸ ر نومبر ۱۹۴۲ء کو ارشاد

فرمائی،

"دورِ حاضر کے سیاسی کوائف میں لائل پور کانفرنس کے انعقاد اور قائداعظم کی تقریروں کو تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ اس موقع پر اسلامیان پنجاب کے پہلے وزیر اعظم سر سکندر حیات خاں نے اپنی زبان سے ان شکوک کا دفعیہ کیا جن کا اظہار گاہے گاہے کیا جاتا رہا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ سر سکندر تجویز پاکستان کے مخالف ہیں مگر لائل پور کانفرنس میں سر سکندر نے اقرار کیا کہ جب مسلمان متحدہ طور پر کوئی آخری فیصلہ کسی معاملے کے متعلق کر لیں تو میں اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ تجویز پاکستان کے متعلق جملہ اسلامیان پنجاب یک زبان ہیں۔ بہر حال سطور ذیل میں سر سکندر کی تقریر کا خلاصہ بھی درج کیا جاتا ہے۔ اہل نظر خود دیکھ لینگے کہ مقرر کے الفاظ کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ علاوہ ازیں سر سکندر کا بیان پڑھ لینے کے بعد یہ بھی واضح ہوگا کہ قائداعظم اپنی دوسری تقریر میں کس کس امر سیاسی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

سرناظم الدین سابق وزیر حکومت بنگال نے کانفرنس مذکور کی صدارت کی۔
یامر قابل ذکر ہے کہ جب قائد اعظم جن کے ہمراہ سرناظم الدین اور نواب افتخار حسین
پریذیڈنٹ پنجاب مسلم لیگ تھے لائل پور میں تشریف لائے تو ریلوے سٹیشن
پران کا شاندار استقبال بلکہ بقول قائد اعظم "شاہانہ استقبال" کیا گیا۔ اس
وقت مقامی لیگ اور صوبائی لیگ کے ممبروں اور پنجاب اسمبلی کے بہت سے
مسلم اراکین کے علاوہ بعض حکام ضلع بشمول ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر عبدالرحیم
موجود تھے۔

۱۸ نومبر کے روز ایک لاکھ سے زیادہ بندگان خدا کے اجتماع کے سامنے
قائد اعظم نے پنجاب پراونشل لیگ کانفرنس کے پنڈال میں لیگ کا جھنڈا لہرانے
کی رسم ادا کی اور جونہی جھنڈا بلند ہوا قائد اعظم پر چاروں طرف سے پھولوں
کی بارش ہونے لگی۔ اور انھوں نے ایک تقریر ارشاد فرمائی۔

اس کانفرنس کا انعقاد غنیمت سمجھ کر بعض جماعات نے قائد اعظم کی خدمت
میں الگ الگ سپاس نامے پیش کئے۔ ان کے جوابات قائد اعظم کی تقریر میں
شامل ہیں۔ پیشتر اس کے کہ ہم قائد اعظم کی تقریریں تحریر کریں سر سکندر کی
مذکورہ تقریر کے وہ فقرات اس تمہید ہی میں لکھتے ہیں۔ جن کے مطالب کی جانب
قائد اعظم نے اشارہ کیا۔

سر سکندر نے فرمایا "میں خلوص دل سے قائد اعظم کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ اللہ
تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے قائد اعظم کو
اسلامیان ہند کی تنظیم اور اتحاد پر مامور کیا۔

میں اپنے اور مسلم لیگ کے باہمی تعلقات کے ضمن میں کہونگا کہ بعض اوقات طرفین کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں اور اس لئے ہم ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہیں مگر جب ایک قطعی فیصلہ کر لیا جاتا ہے تو میں اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہوں۔ ایسا وقت کبھی نہیں آیا کہ میں نے اپنی قوم کے اغراض پر دوسروں کے مفاد کو ترجیح دی ہو۔ یہ بات ممکن ہے کہ بعض اوقات میں قائد اعظم کے حکم کو مسلمانوں کے اغراض کے منافی سمجھوں۔ مگر اس صورت میں ہم آپس میں بحث کریں گے اور دونوں میں سے ایک شخص اپنی رائے میں ضروری تبدیلی کر دے گا۔ اگر مسلمانوں کی اندر تفرقہ پیدا ہوگا تو اس کے خلاف لڑنے کے لئے میں سب سے پہلے میدان میں نکلوں گا۔ پانچ سال ہوئے کہ میں مسلم لیگ میں اس امر کا ثبوت دینے کے لئے شامل ہوا کہ قائد اعظم تنہا نہیں ہیں۔ اور جب سے اب تک میں اس حالت پر قائم رہا ہوں۔ قرارداد پاکستان کا مطلب فقط یہ ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں اقلیتوں کو تحفظات دیئے جائیں گے۔ اور ان کو لازم ہے کہ ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ آج کل پنجاب میں ہم ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں سے بہتر سلوک کر رہے ہیں اور اگر پاکستان کے قیام کے بعد بھی ہندوؤں کی تسلی نہ ہو تو ان کو علیحدہ ہو جانے کا حق حاصل ہوگا۔ اہل برطانیہ ہیں اس وقت تک کچھ بھی دینے کے لئے تیار نہیں جب تک کہ ہم ہندوستانی باہمی رضامندی کے ساتھ سمجھوتہ نہ کر لیں۔ اگر ہم بھائیوں کی طرح اپنے اختلافات دور کر دیں تو یہ عین مناسب ہوگا۔"

اب قائد اعظم کی تقریریں ملاحظہ ہوں۔ آپ نے جھنڈا لہرانے کے وقت فرمایا۔

"حضرات! لائل پور نہ صرف اس وقت پنجاب کا ایک بہت بڑا شہر ہے بلکہ پاکستان کے قیام کے بعد بھی ایسا ہی شاندار شہر ہوگا۔ میں نے آج مسلم لیگ کا جھنڈا لہرایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمام مسلمان پوری یکجہتی اور استقلال کے ساتھ اس کے نیچے کھڑے ہوں گے۔ میں بہت سی تقریریں کر چکا ہوں اور ہر شخص آگاہ ہے کہ یہ جھنڈا کس چیز کا علمبردار ہے۔ حضرات! آپ نے جس جوش و خروش اور خلوص کے ساتھ مجھے خوش آمدید کہا ہے اس کے لئے آپ کا شکر گذار ہوں۔ اگرچہ آپ نے میرا شاہانہ استقبال کیا مگر میں اس کے عوض محض ایک چیز دے سکتا ہوں یعنی" کامل یکسوئی کے ساتھ قوم کی خدمت"۔ مجھے یقین ہے کہ آپ سب اپنا وہ سب کچھ خرچ کر دیں گے جو ہمیں اپنی منزل مقصود تک پہنچائے"۔

کانفرنس کے اجلاس میں قائد اعظم نے فرمایا:۔

"پنجاب میں پاکستان کے متعلق جو تازہ ترین تجویز نشر کی گئی ہے اور جس میں اس صوبے کے تمام فرقوں کے لئے حکومت خود اختیاری کا حق تسلیم کرنے کی سفارش کی گئی ہے سراسر مفسدانہ ہے۔ یہ ایک فتنہ انگیز خیال ہے۔ پاکستان کے مخالفوں کی یہ آخری کوشش ہے۔ اور وہ لوگ جو اس تجویز کے ذمہ دار ہیں لوگوں کو ارادتاً گمراہ کر رہے ہیں۔

حضرات! میں آپ سب کو اور ان جماعات کو بھی جنھوں نے اپنے اپنے طور پر مجھے مخاطب کیا ہے بتاتا ہوں کہ ملکی آئین کے نقطۂ نگاہ سے وہ تجویز جس کی طرف میں نے

ابھی اشارہ کیا حماقت کا مجسمہ ہے کیونکہ کوئی فرقہ ایک آزاد مملکت نہیں بنا سکتا، تاوقتیکہ وہ ایک قوم کی حیثیت رکھتا ہو اور بطور اکثریت ایک قطعاً واضح اور متمیز حدود کے علاقہ میں بود و باش رکھتا ہو۔

میں اپنے ہندوستانی عیسائی بھائیوں کی خدمت میں ان کے اظہار خیال کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ پاکستان کے اندر ان کے حقوق کی کامل حفاظت کی جائیگی قرآن حکیم نے مسلمانوں کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ اقلیتوں کے ساتھ انصاف اور راستبازی کا سلوک روا رکھیں - (نعرۂ تحسین)

حضرات! میں اپنے اچھوت بھائیوں کے خطاب کے جواب میں کہتا ہوں کہ موجودہ صورت حالات میں ان کی حالت تہذیب کے چہرے پر ایک سیاہ دھبے کے برابر ہے - میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ہمیشہ ان کے اغراض و مقاصد کی پاسداری میں کوشاں رہوں گا۔

حضرات! آج جماعت طلباء نے بھی اپنے طور پر مجھے مخاطب کیا ہے - میں ان کو بتاتا ہوں کہ آپ سب نوجوان میرے ہیں اور میں آپ کا - پس آیئے، میں اور آپ ہم قدم ہو کر آگے بڑھیں - پھر ہم ضرور فتح پالیں گے۔

حضرات! اس وقت جب کہ میں پنجاب مسلم لیگ کانفرنس کا افتتاح کر رہا ہوں - مجھے اسلامیان پنجاب سے بہت کچھ کہنا ہے - میں دیکھتا ہوں کہ پنجاب میں حیات تازہ متحرک ہے - آپ کی مدد شامل ہو گی - تو دنیا کی کوئی طاقت بھی اپنے اس مقصد کے حصول سے ہمیں نہ روک سکے گی جس کا ہم اعلان کر چکے ہیں۔

مسلم لیگ روز بروز بیش از بیش ترقی کر رہی ہے - اس وقت تک اسلامی

اکثریت کے صوبوں کے اندر وہاں کے مسلمان آپس میں لڑتے رہے ہیں۔ حالانکہ یہی وہ صوبے ہیں جن کو پاکستان کے قیام سے باقی سب کی نسبت زیادہ فائدہ حاصل ہوگا، مگر اب یہ تنازعات ختم ہوگئے ہیں اور صورت حالات بدل گئی ہے یعنی اب اسلامیان پنجاب کی تمام جماعتیں ایک ہی جھنڈے۔ مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے یکجہتی کے ساتھ جمع ہوگئی ہیں اور وہ سب کی سب پورے اتفاق سے ہم خیال اور ہم زبان ہیں۔

حضرات! میں بہت خوش ہوں کہ اب پنجاب کے تمام عام مسلمان، مسلم لیگ کے معین و مددگار ہیں۔ مجھے اہل دیہات کی غربت اور افلاس دیکھ کر بہت رنج ہوتا ہے۔ میں نے دوران سفر میں جب ریلوے سٹیشنوں پر پنجاب کے دیہاتی مسلمانوں کے گروہ دیکھے تو مجھے ان کی غربت نے بے حد مشوش کیا۔ میرے خیال میں حکومت پاکستان کا سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ ان لوگوں کا معیار زندگی بلند کرے اور ان کو لطف حیات سے شادکام ہونے کے لئے سامان بہم پہنچائے۔

حضرات! میں اب ختم کلام کے وقت اس امر کی ضرورت انتہائی تاکید کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ ہم مسلمانوں کو باہمی اتحاد پیدا کرنا اور کامل طور پر منظم ہونا چاہیئے۔ پانچ سال ہوئے کہ ہم بدنظمی کا شکار ہو رہے تھے۔ کسی شخص اور کسی جماعت کے نزدیک ہم قابل اعتنا نہ تھے۔ ہماری پروا کسی کو نہ تھی۔ کانگرس کا دعویٰ تھا اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایک خاص حد تک یہ دعویٰ بجا تھا کہ ملک میں صرف دو پارٹیاں ہیں۔ یعنی خود کانگرس اور حکومت برطانیہ۔ مگر اب تین پارٹیاں ہیں اور وہ تیسری پارٹی مسلم لیگ ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب ہم مسلمان ایک تنظیم یافتہ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور کسی کو اس امر کی

جرأت نہیں کہ ہمیں نظر انداز کردے۔ اب مسلم لیگ اس ملک کے اندر ایک بیّن اور مستحکم طاقت ہے۔ مسلم لیگ اسلامیان ہند کے ایک گروہ کو کانگریس کے نرغے سے مخلصی دلا چکی ہے اور ایک اور گروہ کو برطانوی دفتری حکومت کے پنجے سے چھڑا لائی ہے اور پھر اس نے ان کو اور باقی سب مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر لیا ہے۔ الغرض اپنی تنظیم کرو تنظیم! ہاں تنظیم! تنظیم!! تنظیم!!!